تراشے

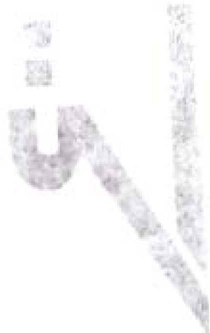
مطالعے کے دوران چنے ہوئے دلچسپ واقعات
علمی وادبی لطائف اور معلوماتی نکات



مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

جملہ حقوق ملکیت بحق مکتبہ معارف القرآن کراچی محفوظ ہیں



باہتمام	:	محمد مشتاق قاسمی
طبع جدید	:	ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ، اپریل 2010ء
مطبع	:	احمد برادرز پرنٹرز، کراچی۔
ناشر	:	مکتبہ معارف القرآن کراچی (Quranic Studies Publishers)
فون	:	(021) 35031565, 35031566
ویب سائٹ	:	www.onlineshariah.com www.quranicpublishers.com
ای میل	:	info@quranicpublishers.com

ملنے کے پتے:

- مکتبہ معارف القرآن کراچی
  فون: 35031565, 35031566
- ادارۃ المعارف کراچی
  فون: 35049733 - 35032020

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حرفِ آغاز

جب سے میں نے ہوش سنبھالا، کتاب ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہی، اور مطالعہ سب سے محبوب مشغلہ بنا۔ عام طور سے مطالعے کا موضوع کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ ہوتا، لیکن کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لئے تاریخی اور ادبی تحریریں بھی نظر سے گزرتی رہیں۔ مطالعے کے دوران کوئی دلچسپ یا سبق آموز واقعہ، یا کوئی لطیفہ یا معلوماتی نکتہ سامنے آتا تو اسے قلم بند کرنے کی خواہش دل میں اُبھرتی۔ بہت سے مواقع پر اُسے قابلِ اشاعت شکل میں مرتب کرنے کا موقع نہ ملا، تو کم از کم اس کا حوالہ ہی اپنے پاس لکھ لیتا، اور اس طرح ایک ضخیم بیاض تیار ہوگئی جو غیر مطبوعہ شکل میں میرے پاس محفوظ ہے، اور وقتاً فوقتاً بہت مدد دیتی ہے۔ لیکن جن واقعات یا نکات کو باقاعدہ مرتب کر کے لکھنے کا موقع مل گیا، ان کو میں "تراشے" کے نام سے اپنے ماہنامہ "البلاغ" میں شائع کرتا رہا۔

"تراشے" البلاغ کا ایک مستقل عنوان تھا جو ایک عرصے تک اس میں جاری رہا، لیکن جب میری مصروفیات بڑھیں تو یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ قارئینِ "البلاغ" یہ مضامین بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھتے تھے، اور خیال ہوا کہ ان کا ایک مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو تو قارئین کو یکجا پڑھنے کے لئے ایک دلچسپ اور مفید مواد میسر آجائے گا۔

اس خیال کے پیشِ نظر میرے بیٹے عزیزم مولوی محمد عمران اشرف عثمانی سلمہٗ نے "البلاغ" کے سابق شماروں سے یہ مضامین جمع کر لئے، اور انہیں کتابی صورت میں مرتب کر دیا۔ اب یہ مجموعہ آپ کے سامنے ہے، اس میں کسی ترتیب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ؎

دریں کتاب پریشاں، نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حالِ من پریشان است

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قارئین کے لئے مفید بنائے، آمین۔

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	مضمون

مضمون	صفحہ نمبر
واثق کے دربار میں ایک پابہ زنجیر عالم جنھوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا......	۴۸
ایں خانہ ہمہ آفتاب است	۵۳
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک نصیحت	۵۴
نعمت کے اثرات نظر آنے چاہئیں	۵۴
پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج	۵۵
امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت	۵۶
ایضاً	۵۷
امام ابوحنیفہؒ کا ایک خواب	۵۷
ایک حدیث کے لئے ایک سال!	۵۸
عیادتِ مریض کے آداب و لطائف	۶۰
فوج کی تنظیم	۶۱
بَری فوج	۶۱
بکتر بند کور	۶۲
توپ خانہ	۶۲
انجینئرز کور	۶۲
آرمی سگنلز کور	۶۲
پیادہ فوج	۶۳
آرمی سروس کور (A.S.C)	۶۳
آرمی آرڈی نینس کور (A.O.C)	۶۳
آرمی میڈیکل کور (A.M.C)، آرمی ڈینٹل کور (A.D.C)	۶۳
الیکٹریکل و میکینکل کور (E.M.E)	۶۴
آرمی ایجوکیشنل کور (A.E.C)	۶۴

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضمون

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

ہنسی مذاق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ ہنس مکھ اور خوش طبع تھے۔ (طبرانی)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات تبسم کے بغیر نہیں کہتے تھے۔ (مسند احمد)

لیکن قہقہے کے ساتھ ہنسنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہ تھا، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بے خود ہو کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی تبسم تھی۔ (مؤطا مالک و طبرانی)

اور حضرت مرۃ رضی اللہ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ ہنسی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک منہ پر رکھ لیتے تھے (بغوی)۔
(کنز العمال ج:۴ ص:۲۷)

جنت میں بوڑھیاں...؟

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دُعا کیجئے میں جنت میں چلی جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔ وہ عورت یہ سن کر رو پڑی اور جانے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: اسے بتادو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہ جائے گی (جوان ہو کر جائے گی)۔ (شمائل ترمذی ص:۲۰)

کارسازِ ما...![1]

امام رازیؒ نے "رَبِّ العٰلَمِیْنَ" کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ذُوالنون مصریؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن کپڑے دھونے کے لئے دریائے نیل کے کنارے تشریف لے گئے، یکایک انہیں ایک موٹا تازہ بچھو دِکھائی دیا، جو ساحل کی طرف جارہا تھا۔ جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک کچھوا نکلا، اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو وہ کود کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا، کچھوا اسے لے کر دُوسرے کنارے کی طرف چلا۔ حضرت ذُوالنونؒ فرماتے ہیں کہ میں تہبند باندھ کر دریا میں اُتر گیا اور ان دونوں کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ دریا کے اُس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو کچھوے کی پیٹھ پر سے اُترا اور خشکی پر چڑھ گیا۔ میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک نوخیز لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دِل میں کہا کہ یہ بچھو دُوسری طرف سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دِکھائی دیا، جو پھن اُٹھا کر لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا، اور سانپ کے سر سے چمٹ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں سانپ مرگیا، اور بچھو واپس کنارے کی طرف لوٹا، وہاں کچھوا اس کا منتظر تھا، اس کی پیٹھ پر سوار ہوکر وہ دوبارہ اُس پار جا پہنچا، میں یہ عجیب ماجرا دیکھ کر یہ شعر پڑھنے لگا۔

یا راقدًا والجلیل یحفظہ
من کل سوء یکون فی الظلم
کیف تنام العین عن ملک
تأتیہ منک فوائد النعم

میری آواز سن کر نوجوان جاگ اُٹھا، میں نے اسے تمام قصہ سنایا۔ اس پر اس واقعے کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے اپنی لہو ولعب کی زندگی سے توبہ کی، اور تمام عمر سیاحت میں بسر کردی۔ (تفسیر کبیر وتاریخ الیافعیؒ)

---

(۱) ہمارا کارساز یعنی کام بنانے والا۔

حضرت ذُوالنون مصریؒ کے مذکورہ دو شعروں کے مفہوم کو کسی فارسی شاعر نے کتنے اچھے طریقے سے کہا ہے ۔

کارساز ما بساز کار ما
فکر ما درکار ما آزار ما

طلاق کی عجیب قسم

قاضی ابوبکر ابنِ عربیؒ نقل فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں منصور بغداد کا خلیفہ تھا، موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی نام کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو فرطِ محبت میں یہ کہہ دیا کہ: ''اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تمہیں تین طلاق۔'' بیوی سخت پریشان ہوئی، اور سمجھی کہ طلاق واقع ہوگئی ہے، اس لئے شوہر کے سامنے آنا بھی بند کر دیا۔ شوہر نے یہ الفاظ فرطِ محبت سے کہہ دیئے تھے، مگر جب ہوش آیا تو اسے بھی فکر ہوئی، اور اس کی ساری رات بڑے اِضطراب میں گزری، بڑی مشکل سے صبح ہوئی تو وہ خلیفہ منصور کے پاس پہنچا اور واقعہ بتلایا۔ منصور نے فوراً شہر کے بڑے بڑے علماء وفقہاء کو جمع کر کے مسئلہ ان کے سامنے رکھا، اکثر فقہاء کی رائے یہ ہو رہی تھی کہ طلاق واقع ہوگئی ہے، اس لئے کہ اس کی بیوی فی الواقعہ چاند سے زیادہ اچھی نہیں ہے۔

لیکن ایک فقیہ تھے جنھوں نے یہ رائے پیش کی کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، ان سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین قوام کے ساتھ پیدا کیا ہے)۔

منصور نے اس جواب کے بے حد پسند کیا، اور موسیٰ بن عیسیٰ کو یہی کہلا کر بھیج دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (حیاۃ الحیوان للدمیریؒ ج:۱ ص:۳۲ لفظ: انسان)

بھول اور یاد

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ نے حضرت ہشام کلبیؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار حافظے کی تیزی کا ثبوت بھی ایسا دیا کہ شاید کسی نے نہ دیا ہو، اور ایک مرتبہ مجھ سے بھول بھی ایسی ہوئی کہ شاید کسی سے نہ ہوئی ہو۔ میرے حافظے

کی تیزی کا عالم تو یہ ہے کہ میں نے قرآنِ کریم صرف تین دن میں یاد کرلیا تھا، اور بھول ایسی ہوئی کہ ایک دن میں خط بنانے بیٹھا، داڑھی کو مٹھی میں لے کر نیچے کے بال کاٹنا چاہتا تھا، مگر بدحواسی میں مٹھی سے اُوپر کے بال کاٹ ڈالے، اور پوری داڑھی ہاتھ میں آگئی ____! (ردّ المحتار)

صبر وشکر

عمران بن حطّان خارجی فرقے کا مشہور فصیح وبلیغ شاعر گزرا ہے۔ اس کی ذہانت وذکاوت کے بہت واقعات مشہور ہیں۔ علامہ زمخشریؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ بے انتہا سیاہ فام اور بدصورت تھا، اور جتنا وہ بدصورت تھا، اس کی بیوی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ ایک دن وہ بہت دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس نے کہا: ''الحمدللہ!''

عمران نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟ تم نے کس بات پر الحمدللہ کہا ہے؟''

بیوی نے کہا: ''میں نے اس بات پر خدا کا شکر ادا کیا ہے کہ ہم دونوں جنتی ہیں۔''

عمران نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

کہنے لگی: ''اس لئے کہ تمہیں مجھ جیسی بیوی ملی، تم نے اس پر شکر ادا کیا، اور مجھے تم جیسا شوہر ملا، میں نے اس پر صبر کیا، اور اللہ نے صابر اور شاکر دونوں کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (کشاف ج:۱ ص:۵۷۲، قاہرہ ۱۳۶۵ھ، ''یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ'')

حضرت عثمانؓ کی انگوٹھی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عثمانؓ کی انگوٹھی پر کیا عبارت نقش تھی؟ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ: انہوں نے پورے صدقِ نیت سے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ نقش کرایا تھا:

''اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ سَعِیْدًا وَّاَمِتْنِیْ شَہِیْدًا''

ترجمہ:- اے اللہ! مجھے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرما۔

پھر ابنِ عباسؓ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! انہیں سعادت کی زندگی بھی ملی، اور شہادت کی موت بھی۔'' (مستدرک حاکم ج:۳ ص:۱۰۶، کتاب معرفۃ الصحابۃ، حیدرآباد)

خیالی تصویریں

ہمارے زمانے میں تخیل کے زور پر زمانۂ قدیم کے لوگوں کی تصویریں بنانے کا رواج بہت عام ہو رہا ہے، اسی سلسلے میں عرصہ ہوا ''ریڈرز ڈائجسٹ'' میں ایک دِلچسپ واقعہ نظر سے گزرا تھا، ضیافتِ طبع کے لئے حاضر ہے:-

بونی چیمبرلن ایک بوڑھے پادری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ چند صدیوں پہلے صقلیہ کے ایک کلیسا نے کسی مصوّر کو کچھ دیواری تصویریں بنانے کا کہا، اور مقصد یہ تھا کہ کلیسا کی دیواروں پر تصویریں بنا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاکہ پیش کیا جائے۔

مصوّر نے ان تصویروں کو بنانے میں نہایت جانفشانی سے کام لیا، یہاں تک کہ تقریباً تمام تصویریں مکمل ہوگئیں، البتہ ابھی دو اہم تصویریں باقی تھیں جن کے بغیر یہ خاکہ نامکمل تھا، ان میں سے ایک تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بچپن کی تصویر تھی، دُوسری یہوداہ اسکریوتی کی، (یہوداہ اسکریوتی حضرت مسیح علیہ السلام کا وہ حواری ہے جس کے بارے میں اِنجیل میں لکھا ہے کہ اس نے تیس روپے کے لالچ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرادیا تھا)۔

یہ دو صورتیں ایسی تھیں جن کا کوئی مناسب نمونہ مصوّر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس لئے وہ اس تلاش میں تھا کہ کہیں ایسے چہرے نظر پڑیں جن کی تصویر ان دو شخصیتوں پر فٹ بیٹھ سکے۔

ایک دن وہ شہر میں ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک بارہ سالہ لڑکے پر پڑی، جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہا تھا۔ مصوّر کی نگاہ اس لڑکے پر رُک کر رہ گئی ____ مصوّر نے اس معصوم چہرے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے لئے نہایت مناسب پاکر اسے اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کیا اور گھر لاکر اس کی تصویر بنانی شروع کردی، چند روز میں یہ تصویر مکمل ہوگئی اور ایک مسئلہ حل ہوا۔

لیکن ابھی یہوداہ اسکریوتی کا مسئلہ باقی تھا، اس کے لئے اسے عرصۂ دراز

تک کوئی مناسب چہرہ نہ مل سکا۔ بہت سے لوگوں نے جو اپنے آپ کو نہایت خبیث النفس سمجھتے تھے، یہوداہ اسکریوتی کی تصویر بنانے کے لئے اپنے چہروں کی پیشکش کی، لیکن ان میں سے کوئی مصور کے دل کو نہ لگا۔ وہ یہوداہ اسکریوتی کی تصویر کے لئے ایسا چہرہ بنانا چاہتا تھا جسے دیکھتے ہی انسان پکار اُٹھے کہ یہ شخص حرص و ہوس کا پُتلا اور گمراہیوں کا مخزن ہے۔ اسی تلاش میں کئی سال بیت گئے۔

ایک روز سہ پہر کے وقت وہ ایک شراب خانے میں بیٹھا تھا کہ اچانک اسے ڈیوڑھی کے سامنے ایک نحیف و نزار شخص دِکھائی دیا، جس کے چہرے پر وحشت اور تباہ حالی بُری طرح ٹپک رہی تھی، وہ لڑکھڑاتا ہوا شراب خانے کی چوکھٹ میں داخل ہوا، اور ایک بھکاری کی طرح اس نے آواز لگائی: ''شراب، شراب''۔

مصوّر نے جب اُسے دیکھا تو اسے اس شخص کے چہرے میں ہر اُس گناہ کا عکس نظر آیا جو کوئی آدم کا بیٹا انجام دے سکتا ہے۔ مصوّر اسے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑا اور اس سے کہا: ''میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں شراب دُوں گا۔''

گھر لاکر مصوّر نے اس کی تصویر بنانی شروع کی، وہ شخص ساکت و صامت بیٹھا رہتا اور مصوّر اس کی تصویر بنایا کرتا، جب تصویر مکمل ہونے لگی تو ایک دن مصوّر نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر اپنی تصویر دیکھ کر خوف و حیرت اور اِستعجاب کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ مصوّر نے اس سے پوچھا: ''کیوں؟ کیا بات ہے؟''

اس شخص نے کچھ دیر کے لئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا، اور ایک آہ بھر کر بولا:

''ذرا مجھے غور سے دیکھو! تم مجھے نہیں پہچانتے؟ چند سال پہلے یسوع مسیح کے بچپن کی تصویر بنانے کے لئے تم نے میرا ہی چہرہ منتخب کیا تھا۔''

(ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۶۳ء بحوالہ سٹرڈے ریویو ۱۴ر مارچ ۱۹۳۲ء)

یا موسیٰ!

مامون رشید ایک مرتبہ اپنے ایک مصاحب عبداللہ بن طاہر سے ناراض ہوگیا،

اور ایک خفیہ مجلس میں کچھ لوگوں سے اسے قتل کرانے کا منصوبہ بنایا۔ اتفاق سے اس مجلس میں عبداللہ بن طاہر کا ایک خیر خواہ دوست موجود تھا، اس نے فوراً عبداللہ کے نام ایک رُقعہ لکھا جس پر صرف یہ عبارت تھی:

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، یَا مُوْسٰی"

یہ رُقعہ جب عبداللہ بن طاہر کے پاس پہنچا تو وہ سخت حیران ہوا، دیر تک اس خط کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کنیز برابر میں کھڑی تھی، جب کافی دیر گزر گئی تو وہ بولی:

"اس کا مطلب میری سمجھ میں آ گیا!"

عبداللہ نے پوچھا: "وہ کیا؟"

کنیز نے کہا: لکھنے والے نے قرآنِ کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: "یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ"۔

اے موسیٰ! سردار تمہیں قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں، اس لئے یہاں سے نکل جاؤ، میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

عبداللہ اس وقت مامون کے دربار میں جانے کا اِرادہ کر رہا تھا، مگر اَب اس نے اِرادہ منسوخ کر دیا، اور اس طرح اس کی جان بچ گئی۔ (حیاۃ الحیوان ج:۱ ص:۱۲۶)

بلاعنوان

اِمام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حمادؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے محلے میں ایک چکی پیسنے والا رہتا تھا جو نہایت غالی قسم کا شیعہ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ یہ حرکت کی کہ اپنے دو خچروں میں سے ایک کا نام "ابوبکر" اور ایک کا نام "عمر" رکھ دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد انہی خچروں میں سے ایک نے اسے دولتیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ میرے دادا اِمام ابوحنیفہؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حاضرینِ مجلس سے کہا کہ ذرا جا کر دیکھو، جس خچر نے اسے قتل کیا ہے وہ ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا۔ لوگوں نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعۃً وہ وہی خچر تھا۔

(حیاۃ الحیوان ج:۱ ص:۱۳۰)

حضرت عائشہؓ کا اُونٹ

علامہ دمیریؒ نے نقل کیا ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس اُونٹ پر سوار تھیں اس کا نام ''عسکر'' تھا، اور اسے حضرت عائشہؓ کے لئے یعلیٰ بن اُمیہ نے چار سو درہم میں خریدا تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ دو سو درہم میں۔

(حیاۃ الحیوان ج:۱ ص:۱۸۰)

کشتیٔ نوحؑ کا مسطول

ہارون رشید کے زمانے میں کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نوحؑ پیغمبر ہوں۔ ہارون رشید نے اسے بلا کر پوچھا: ''تم وہی نوح ہو جو ایک مرتبہ پہلے بھیجے گئے تھے یا کوئی اور؟'' اس نے جواب دیا: ''میں وہ نوح ہوں جو پہلے ساڑھے نو سو برس زندہ رہا، اب مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ پچاس برس اور زندہ رہ کر ایک ہزار پورے کر دوں۔''

ہارون رشید نے حکم دیا کہ اسے سولی پر لٹکا دیا جائے، چنانچہ اسے پھانسی دے دی گئی، ابھی وہ سولی پر لٹکا ہوا تھا کہ کوئی ظریف آدمی وہاں سے گزرا اور سولی کی طرف دیکھ کر بولا: ''واہ نوح صاحب! تمہیں اپنی کشتی سے مسطول کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا؟''

(الیواقیت العصریہ ص:۱۲۰)

چاند کے مہینے

علامہ محمد مغربی نے لکھا ہے کہ قمری کیلنڈر میں چار مہینوں تک مسلسل تیس کا چاند ہو سکتا ہے، مگر اس کے بعد نہیں۔ اور اُنتیس کا چاند مسلسل چار ماہ تک ہو سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔ (الیواقیت العصریہ ص:۱۴۹)

اور حضرت جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ کسی رمضان کی پانچ تاریخ جس دن ہو، اگلے رمضان کا پہلا روزہ لازماً اسی دن ہوتا ہے۔ علامہ مغربی کہتے ہیں کہ اس قاعدے کو پچاس سال آزمایا گیا ہمیشہ صحیح نکلا۔ (الیواقیت ص:۳۴۲) لیکن ظاہر ہے کہ ان تمام حسابات کی حیثیت لطائف سے زیادہ نہیں، اَحکامِ شریعت میں اِعتبار رُویتِ ہلال ہی کا ہے۔

بخار

علامہ ابنِ جوزیؒ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: ''بخار کا صلہ کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تک (بخار کی وجہ سے) قدم لڑکھڑاتے رہیں یا نبض تیز چلتی رہے اس وقت تک اس کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی رہتی ہیں۔'' حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے یہ سن کر دُعا فرمائی کہ: ''خدایا! میں تجھ سے ایسے بخار کا سوال کرتا ہوں جو نہ مجھے تیری راہ میں جہاد کرنے سے روک سکے اور نہ تیرے گھر اور تیرے نبی کی مسجد تک جانے سے'' چنانچہ اس کے بعد حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ بخار رہتا تھا، جو شخص بھی انہیں چھوتا، اسے بخار محسوس ہوتا۔ (صفۃ الصفوۃ ج:۱ ص:۱۹۰، حیدر آباد ۱۳۵۵ھ)

آخری صحابی

علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ تمام اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ جو صحابی سب سے آخر میں فوت ہوئے وہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ الجہنی رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے ۱۰۲ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

(الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ ص:۴۲۱ تا ۴۲۳، جدہ ۱۳۸۰ھ)

حضرت سفیان ثوریؒ

حضرت سفیان ثوریؒ مشہور محدثین اور فقہاء میں سے ہیں۔ مُلّا علی قاری حنفیؒ نے شمائلِ ترمذی کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور نے مکہ مکرمہ آنے کا ارادہ کیا، وہ کسی وجہ سے حضرت سفیان ثوریؒ سے ناراض تھا، اس لئے اس نے حکم بھیج دیا کہ مکہ مکرمہ میں سفیان ثوریؒ کو پھانسی دینے کے لئے سولی نصب کرادی جائے۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت ثوریؒ کو ہوئی تو وہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی آغوش میں سر اور حضرت سفیان بن عیینہؒ کی آغوش میں پاؤں رکھے لیٹے ہوئے تھے، ان کے شاگردوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ منصور کی آمد سے پہلے کہیں رُوپوش ہوجائیں، لیکن حضرت سفیان ثوریؒ اطمینان سے اُٹھے، مسجد حرام میں پہنچے اور

غلافِ کعبہ سے چمٹ کر کہنے لگے کہ: ''خدایا! اگر ابوجعفر مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو میں بَری ہوں گا۔''

ان کا یہ کہنا تھا کہ ابوجعفر منصور کی موت کی اطلاع پہنچ گئی، وہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے قبل ہی فوت ہوچکا تھا۔ (جمع الوسائل ص:۱۹ و ۲۰، مصطفی البابی ۱۳۱۸ھ)

وقارِ علم

حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدثین میں سے ہیں۔ صحاحِ ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ حضرت اِمام مالکؒ، اِمام اوزاعیؒ جیسے حضرات ان کے اُستاذ ہیں، اور اِسحاق بن راہویہؒ جیسے حضرات ان کے شاگرد۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے والد یونسؒ بھی ان کے شاگرد تھے۔ ان کا واقعہ مُلّا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ جب ہارون رشید حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو قاضی القضاۃ اِمام ابو یوسفؒ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے مشہور محدثین کو ملاقات کے لئے اس کے پاس لے کر آئیں۔ اِمام ابو یوسفؒ نے تمام محدثین کے پاس پیغام بھیجا تو مکہ مکرمہ کے تمام محدثین جمع ہوگئے، مگر حضرت عبداللہ بن اِدریسؒ اور حضرت عیسیٰ بن یونسؒ تشریف نہ لائے۔ ہارون رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے دونوں صاحب زادوں امین اور مامون کو حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس بھیجا کہ ان سے احادیث پڑھ کر آئیں، جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے خوشی سے حدیث پڑھا کر انہیں واپس بھیج دیا۔ ہارون رشید نے اس کے صلے میں عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس دس ہزار درہم روانہ کئے، مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ہارون رشید سمجھے کہ انہوں نے دس ہزار درہم کو کم سمجھ کر رَدّ کیا ہے، اس لئے اس نے دوبارہ دُوگنی رقم بھیج دی، جب یہ رقم حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا: ''اگر کوئی مجھے حدیث کے معاوضے میں اس مسجد کو چھت تک سونے سے بھر کر پیش کرے تب بھی میں اسے قبول نہ کروں گا۔''

چنانچہ ہارون رشید نے پھر رقم قبول کرنے پر اِصرار نہ کیا۔

انہی حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کی عادت تھی کہ وہ ایک سال حج کرتے تھے، اور

ایک سال جہاد، لہٰذا انہوں نے اپنی عمر میں ۴۵ حج کئے اور ۴۵ جہاد۔

(جمع الوسائل ص:۲۴، ۲۵)

عہدِ رسالت میں بلیک آؤٹ کی ایک نظیر

آج کل کی جنگوں میں بلیک آؤٹ ایک لازمی ضرورت ہے، اس عمل کی ایک نظیر خود عہدِ رسالت میں بھی ملتی ہے۔

جمادی الثانیہ ۸ھ میں جہاد کے لئے ایک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلے پر لخم وجذام کے قبائل کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا تھا، جس کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ میں دُشمن کے سپاہیوں نے پوری فوج کو حلقۂ زنجیر میں جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے، اسی لئے یہ غزوہ "ذات السلاسل" کے نام سے موسوم ہے (یاد رہے کہ جنگِ ذات السلاسل کے نام سے جو مشہور جنگ ہوئی وہ دورِ صحابہ میں اس کے بعد ہوئی ہے)۔

اس غزوے میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکرگاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ آگ جلائیں۔

تین دن کے بعد دُشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا، بھاگتے ہوئے دُشمن کا صحابہ کرامؓ نے تعاقب کرنا چاہا، مگر حضرت عمروؓ نے تعاقب سے منع کردیا۔ لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گزرا، مگر اِطاعتِ اَمیر کی بنا پر تعمیل لازمی تھی، اس لئے بے چون وچرا پابندی کی گئی۔ البتہ جب لشکر مدینہ طیبہ واپس پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلاکر وجہ دریافت فرمائی۔

حضرت عمروؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میرے لشکر کی تعداد دُشمن کے مقابلے میں تھوڑی تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دُشمن ان کی قلتِ تعداد کا اندازہ لگاکر شیر نہ ہوجائے، اور تعاقب کرنے سے بھی اسی لئے روکا کہ ان کی کم تعداد دُشمن کے سامنے آجائے گی تو وہ کہیں لوٹ کر حملہ نہ کردے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جنگی تدبیر کو پسند فرما کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (جمع الفوائد ج:۲ ص:۲۷، بحوالہ جہاد: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص:۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے شریفہ کا ذکر قرآن میں

علامہ عبدالرؤف مناویؒ (متوفی ۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عضوِ مبارک کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے بارے میں ارشاد ہے: "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ"، آنکھوں کے بارے میں ہے: "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ"، اور زبان مبارک کے بارے میں ارشاد ہے: "فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ"، اور ہاتھ اور گردن کا ذکر ایک ساتھ ہے: "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ"، اسی طرح سینے اور پشت مبارک کا ذکر سورۂ اَلم نشرح میں ایک ساتھ کیا گیا ہے: "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ. الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ" اور قلب مبارک کا ذکر اس آیت میں ہے: "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰی قَلْبِكَ"۔ (مناوی شرح شمائل علیٰ ہامش جمع الوسائل ص:۴۵)

ختمِ قرآن کے وقت دُعا

سلف صالحین کا شروع سے معمول چلا آتا ہے کہ وہ ختمِ قرآن کے وقت دُعا کرتے ہیں، یہ معمول صحابہ کرامؓ کے عمل سے ماخوذ ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے علامہ ابوبکر انباریؒ کے حوالے سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ: "عن قتادة ان أنس بن مالک کان إذا ختم القرآن جمع أهله ودعا." (تفسیر قرطبی ج:۱ ص:۳۶)

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ جب قرآنِ کریم ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے اور دُعا فرماتے۔

حضرت مجاہدؒ اور عبدة بن ابی لبابہؒ سے بھی یہ عمل منقول ہے اور ساتھ ہی ان کا یہ ارشاد بھی کہ:

”فان الرحمة تنزل عند ختم القرآن“
ختم قرآن کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

(حوالہ مذکور)

اشعب لالچی

اہلِ عرب میں اشعب نامی ایک صاحب (متوفی ۱۵۴ھ) لالچی ہونے میں بہت مشہور تھے، یہاں تک کہ ان کا لقب ”طامع“ (لالچی) مشہور ہوگیا اور وہ حرص وطمع کے معاملے میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔ جب کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا ہو کہ وہ بہت لالچی ہے تو کہتے ہیں کہ: ”وہ تو اپنے وقت کا اشعب ہے“ یا ”یہ تو اشعب سے بھی بڑھ گیا“ عربی زبان کے یہ جملے بہت سنے تھے۔ آج خطیبؒ کی تاریخِ بغداد میں ان کے کچھ واقعات نظر پڑگئے، ضیافتِ طبع کے لئے حاضر ہیں:-

۱- اصمعیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ بچے اشعب کے پیچھے لگ گئے اور اسے طرح طرح سے ستانے لگے، اشعب عاجز آگیا تو اس نے بچوں سے کہا:

”ارے جاؤ! سالم بن عبداللہ کھجوریں بانٹ رہے ہیں۔“

بچے یہ سن کر حضرت سالمؒ کے گھر کی طرف دوڑ پڑے، اشعب نے یہ دیکھا تو خود بھی بچوں کے پیچھے دوڑنا شروع کردیا کہ ”کیا خبر یہ بات سچ ہی ہو اور سالم واقعی کھجوریں بانٹ رہے ہوں۔“

۲- ضحاک کہتے ہیں کہ اشعب طماع کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو (فروخت کرنے کے لئے) تھال بنا رہے تھے، اشعب نے ان سے کہا:

”ذرا بڑے بڑے بناؤ!“

”وہ کیوں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کبھی انہی تھالوں میں سے میرے واسطے کوئی ہدیہ تحفہ لے کر آئے۔“

۳- اشعب خود کہتے ہیں کہ: ”جب بھی میں کسی جنازے میں شریک ہوا اور

وہاں دو آدمیوں کو سرگوشی کرتے دیکھا تو ہمیشہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ شاید مرنے والا میرے لئے کوئی وصیت کرکے گیا ہے اور اسی کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں۔"

(تاریخ بغداد للخطیب ج:۱۷ ص:۴۳،۴۲)

باپ بیٹے کو کس طرح حکم دے؟

علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ہر باپ کو یہ چاہئے کہ جب وہ اپنے بیٹے کو کوئی حکم دے تو صریح حکم کے الفاظ اِستعمال کرنے کے بجائے یوں کہے: "بیٹے! اگر تم فلاں کام کرلو تو اچھا ہے" کیونکہ اگر صراحۃً حکم دیا اور مثلاً یہ کہا کہ: "ایسا کرو" اور پھر بیٹا کسی وجہ سے نہ کرسکا تو وہ نافرمانی کے گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوگا، پہلی صورت میں یہ اندیشہ نہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۴۰، نولکشور ۱۳۲۹ھ)

اُونٹوں کی حُدی اور اس کی تاثیر

حُدی اس نغمے کو کہا جاتا ہے جو اُونٹوں کے ساربان اُونٹوں کو بھگانے کے لئے گاتے جاتے ہیں۔ مُلّا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس کی اِبتدا یوں ہوئی کہ ایک اعرابی نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو کسی بات پر مارا اور دانت سے اس کی اُنگلیاں چباڈالیں۔ اس کے بعد یہ دونوں کسی سفر پر روانہ ہوئے، غلام ہاتھوں کے درد کی شدّت سے وَی وَی وَی وَی پکارتا جارہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ اُونٹوں نے اس آواز پر دوڑنا شروع کردیا، اس طرح پتہ چلا کہ اُونٹ ترنم سے مست ہوکر دوڑنے لگتے ہیں، اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک صنفِ سخن بن گئی۔

حُدی میں کتنی زبردست تاثیر ہوتی ہے؟ اس کے بھی کئی واقعات مشہور ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص ایک دیہاتی کے پاس مہمان ہوا، وہاں اس نے ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا کہ وہ ایک اُونٹ کے سامنے زنجیروں میں جکڑا بیٹھا ہے، اس نے مہمان کو دیکھا تو کہا: "میرے آقا سے میری سفارش کردیجئے کہ وہ مجھے آزاد کردے، وہ سوائے مہمانوں کے کسی کی سفارش نہیں سنتا۔"

مہمان نے میزبان سے جاکر غلام کی سفارش کردی، میزبان نے کہا کہ:

آپ کی سفارش سے میں اسے چھوڑ دیتا ہوں ورنہ اس کا گناہ بڑا سنگین ہے۔ ہوا یہ تھا کہ میرے دس اُونٹ تھے، یہ غلام انہیں کہیں سے لے کر آرہا تھا، راستے میں اس نے حُدی پڑھنی شروع کردی، اُونٹ مست ہو کر بھاگتے رہے اور کئی دن کی مسافت ایک رات میں طے کی، جب یہ گھر پہنچے ہیں تو اس ایک اُونٹ کے سوا کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔''

مہمان کہتا ہے کہ میں یہ سن کر بڑا حیران ہوا اور اپنے میزبان سے درخواست کی کہ: ''مجھے بھی اس غلام کی حُدی سنوایئے وہ کیسی حُدی پڑھتا ہے؟''

میزبان نے غلام کو بلایا اس نے ابھی حُدی پڑھنی شروع کی ہی تھی کہ وہ اکلوتا اُونٹ ایک دم کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر میں اس نے صحرا کی طرف دوڑنا شروع کردیا، بیچارہ میزبان بھی دیوانگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔

(مرقاۃ المفاتیح ج:۹ ص:۱۳۲و۱۳۳، ملتان ۱۳۸۹ھ)

حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات

ابو محمد حریری کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۸ھ) کی وفات کے وقت میں ان کے پاس موجود تھا، یہ جمعہ کا دن تھا اور وہ قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں نے کہا: ''ابو القاسم! کچھ اپنی جان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے'' حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

''ابو محمد! کیا اس وقت آپ کو کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جو اس عبادت کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، وہ دیکھو میرا نامہ اعمال لپٹ رہا ہے۔''

وفات سے قبل حضرت جنیدؒ نے وصیت فرمائی کہ میری طرف جتنی علم کی باتیں منسوب ہیں اور لوگوں نے انہیں لکھ لیا ہے، وہ سب دفن کردی جائیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ: ''جب لوگوں کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم (حدیث) موجود ہے تو میری خواہش یہ ہے کہ اللہ سے میری ملاقات اس حالت میں ہو کہ میں نے اپنی طرف منسوب کوئی چیز نہ چھوڑی ہو۔''

وفات کے بعد جعفر خلدیؒ نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا:

"اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟"

حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

طاحت تلک الإشارات وغابت تلک العبارات وفنيت تلک العلوم ونفدت تلک الرسوم، وما نفعنا إلّا رکعات کنا نرکعها في الأسحار.

(وہ اشارے ختم ہوئے، وہ عبارتیں غائب ہوگئیں، وہ علوم فنا ہوگئے، وہ نقوش مٹ گئے اور ہمیں نفع پہنچایا تو چند رکعتوں نے جو ہم سحری کے وقت پڑھ لیا کرتے تھے)

(تاریخ بغداد للخطیب ج:۷ ص:۲۴۸)

فراستِ مؤمن

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کو فتح کر کے غزہ کا محاصرہ کیا تو وہاں کے گورنر نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ گفتگو کے لئے کوئی آدمی میرے پاس بھیجئے، حضرت عمروؓ ایک عام آدمی کی حیثیت سے خود تشریف لے گئے، اور گفتگو شروع کی۔ غزہ کا گورنر ان کے حکیمانہ اندازِ گفتگو اور جرأت و بے باکی سے متأثر ہوا، اس نے پوچھا:

"کیا تمہارے ساتھیوں میں تم جیسے کچھ اور لوگ بھی ہیں؟" حضرت عمروؓ نے فرمایا: "یہ بات نہ پوچھئے، میں تو ان میں سب سے کمتر آدمی ہوں، جبھی تو انہوں نے مجھے یہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا ہے۔"

غزہ کے گورنر نے یہ سن کر انہیں کچھ تحفے دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیج دیا کہ: "جب یہ شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے قتل کر کے اس کا مال چھین لو۔"

حضرت عمروؓ جب واپس جانے کے لئے مڑے تو راستے میں غسان کا ایک

عیسائی ملا، اس نے حضرت عمروؓ کو پہچان لیا اور چپکے سے بولا:

''عمرو! تم اس محل میں اچھی طرح داخل ہوئے تھے، اچھی طرح ہی نکلنا۔''

یہ سن کر حضرت عمروؓ ٹھٹک گئے، وہ فوراً مڑے اور واپس گورنر کے پاس پہنچ گئے، سردار نے پوچھا:

''کیا بات ہے، واپس کیوں آ گئے؟''

حضرت عمروؓ نے جواب دیا: ''آپ نے مجھے جو تحفے دیئے ہیں، میں نے انہیں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ میرے چچازاد بھائیوں کے لئے کافی نہیں ہیں، لہٰذا میرے دِل میں یہ آرہا ہے کہ میں اپنے دس بھائیوں کو آپ کے پاس لے آؤں، آپ یہ تحفے ان سب میں تقسیم کردیں، اس طرح آپ کا تحفہ ایک کے بجائے دس آدمیوں کے پاس پہنچ جائے گا۔''

گورنر دِل ہی دِل میں خوش ہوا کہ اس طرح ایک کے بجائے دس آدمیوں کو قتل کرنے کا موقع ملے گا، چنانچہ اس نے کہا کہ: ''تم ٹھیک کہتے ہو، انہیں جلدی سے لے آؤ!''

اور یہ کہہ کر دربان سے کہلا دیا کہ: ''اب اس شخص کو جانے دو'' حضرت عمروؓ محل سے نکل کر دُور تک مُڑ مُڑ کر دیکھتے رہے اور جب خطرے کی حدود سے باہر نکل گئے تو فرمایا:

''آئندہ ان جیسے غداروں کے پاس نہیں آؤں گا'' چند روز کے بعد غزہ کے گورنر کو صلح کی درخواست کرنی پڑی، اس مقصد کے لئے وہ خود مسلمانوں کے پاس آیا اور جب حضرت عمروؓ کے خیمے میں داخل ہو کر انہیں امیرِ لشکر کی حیثیت سے بیٹھا دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اس نے بوکھلا کر پوچھا:

''کیا آپ وہی ہیں؟''

''جی ہاں!'' حضرت عمروؓ نے جواب دیا، ''میں تمہاری غداری کے باوجود زندہ ہوں۔'' (الوصایا الخالدۃ، مطابع العروبۃ بقطر ص:۲۵۷)

’’نصیحت‘‘

ابو جعفر منصور سلطنتِ عباسیہ کا مشہور خلیفہ ہے، ایک دن اس نے اپنے زمانے کے مشہور عالم اور فقیہ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؒ سے درخواست کی کہ: ’’مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔‘‘

حضرت عبدالرحمٰنؒ نے فرمایا: ’’ایک واقعے کی طرف توجہ دِلانا چاہتا ہوں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ بیٹے چھوڑ کر وفات پائی، لیکن ان کے ترکے میں کل سترہ دینار تھے، جن میں سے پانچ دینار کفن پر خرچ ہوگئے اور دو دینار میں قبر کے لئے جگہ خریدی گئی، اور اس طرح ہر بیٹے کے حصے میں کل اُنیس درہم آئے۔

(الیواقیت العصریہ ص:۱۰۹ و ۱۱۰)

حضرت عمرؓ کا خطبہ اپنی سختی کے بارے میں

حضرت عمرؓ کو خلافت سنبھالنے کے بعد یہ اطلاع ملی کہ لوگ ان کی سختی سے خوف زدہ ہیں، تو انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ’’مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ لوگ میری سختی سے خوفزدہ ہیں، اور میری دُرشتیٔ طبع سے ڈرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ عمر اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، اور اس وقت بھی سختی کرتا تھا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے خلیفہ تھے، اب تو تمام اِختیارات اس کے پاس چلے گئے ہیں، اب نہ جانے اس کی سختی کا کیا حال ہوگا۔

تو سن لیجئے کہ جس شخص نے بھی بات کہی ہے اس نے سچ کہا ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ کا غلام اور خادم رہا یہاں تک کہ آپ بحمداللہ مجھ سے راضی ہوکر دُنیا سے تشریف لے گئے، اور اس معاملے میں تمام لوگوں سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو میں ان کا خادم اور مددگار رہا، میں اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملائے رکھتا تھا، اور اس وقت تک ننگی تلوار بنا رہتا تھا جب تک وہ مجھے نیام میں نہ کردیں، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بھی

اس حال میں اُٹھایا کہ بحمد اللہ وہ مجھ سے راضی تھے، اور میں اس معاملے میں تمام لوگوں سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔

اب مجھے تمہارے معاملات سونپے گئے ہیں، یاد رکھو! کہ اب اس سختی میں کئی گنا اِضافہ ہوگیا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسلمان پر ظلم اور زیادتی روا رکھیں، رہے وہ لوگ جو دِین دار، راست رو اور سلیم الفکر ہیں، میں ان پر خود ان سے زیادہ نرم ہوں، ہاں البتہ جو شخص کسی پر ظلم کرنا چاہے میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رُخسار زمین سے ملا کر اس کے دُوسرے رُخسار پر پاؤں نہ رکھ دوں اور وہ حق کا اعلان نہ کردے۔

لوگو! تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہاری اِجتماعی آمدنی میں سے ایک حبہ تم سے نہ چھپاؤں، اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں، اور جب تم مسلمانوں کے کام کی وجہ سے گھر سے باہر ہو تو جب تک تم لوٹ نہ آؤ، میں تمہارے بچوں کا باپ بنا رہوں۔

یہ کلمات کہہ کر میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔''

(حیاۃ الحیوان ج:۱ ص:۳۶)

یہ جہاں چیز ہے کیا...؟

علامہ ابنِ اثیر جزریؒ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایرانی آتش پرستوں سے جہاد کرنے کے لئے قادسیہ پہنچے تو انہوں نے اپنے لشکر کے ایک افسر عاصمؓ بن عمرو کو کسی کام سے میان کے مقام پر بھیجا، یہ دُشمن کے ملک میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ حضرت عاصمؓ یہاں پہنچے تو رسد کا سارا ذخیرہ ختم ہوگیا، اور ساتھیوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ انہوں نے آس پاس تلاش شروع کی کہ شاید کوئی گائے بکری مل جائے، مگر کافی جستجو کے باوجود کوئی جانور ہاتھ نہ آیا۔ اچانک انہیں بانس کے ایک چھپر کے پاس ایک شخص کھڑا نظر آیا، انہوں نے اس سے جا کر پوچھا کہ: ''کیا یہاں آس پاس کوئی گائے بکری مل جائے گی؟''

اس شخص نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں!'' حضرت عاصمؓ ابھی واپس نہیں لوٹے تھے کہ چھپر کے اندر سے ایک آواز سنائی دی:

''یہ خدا کا دُشمن جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں موجود ہیں۔''

حضرت عاصمؓ چھپر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کئی گائے بیل کھڑے ہیں، مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ آواز ایک بیل کی تھی۔ حضرت عاصمؓ وہاں سے گائے بیل لے کر آئے اور انہیں لشکر میں تقسیم کیا۔

یہ واقعہ کسی نے حجاج بن یوسف کو سنایا تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے جنگِ قادسیہ کے شرکاء کے پاس پیغام بھیج کر اس کی تصدیق کرنی چاہی تو بہت سے حضرات نے گواہی دی کہ اس واقعے کے وقت ہم موجود تھے، حجاج نے ان سے پوچھا:

''اس زمانے میں اس واقعے کے بارے میں لوگوں کا تاثر کیا تھا؟''

انہوں نے کہا: ''اس واقعے کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ اللہ ہم سے راضی ہے اور وہ ہمیں دُشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔''

''یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جب لوگوں کی اکثریت متقی و پرہیزگار ہو۔'' حجاج نے کہا۔

''دِلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے'' انہوں نے کہا۔ ''لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ دُنیا سے اس قدر بے نیاز قوم ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی۔''

(کامل ابنِ اثیر ج:۲ ص:۱۷۵ طبع قدیم)

تصفیہ قلب

علامہ ابنِ خلدونؒ طبریؒ وغیرہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ حضرت علیؓ نے دونوں فریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا یَمُوْتَنَّ أَحَدٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَقَلْبُهٗ نَقِیٌّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ:- ان لوگوں میں سے جو شخص بھی صفائی قلب کے ساتھ مرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔

(مقدمہ ابنِ خلدون ص:۳۸۵ فصل:۳۰، بیروت ۱۹۵۶ء)

رضاعت اور سرطان

ماسکو (رُوس) سے نکلنے والے ماہوار ڈائجسٹ اسپٹنک (انگریزی ایڈیشن) نے اپنی اگست ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں ڈاکٹر الیگزینڈر چاکلن (سکریٹری جنرل سوویٹ کینسر سوسائٹی) کا ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ یورپ اور امریکا کی عورتوں میں سینے کے سرطان کا مرض بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اور اس سے بے شمار اموات واقع ہو رہی ہیں۔ اس بڑھتی ہوئی بیماری کا اہم سبب انہوں نے یہ بتایا ہے کہ آج کل عورتوں میں بچے کو اپنے سینے سے دُودھ پلانے کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے۔ اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کے قرآن نے ماؤں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ دو سال کی عمر تک بچوں کو دُودھ پلائیں، دُودھ پلانے کا یہ رواج ابھی تک ان مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے جو (اپنی عام زندگی میں) عملاً مذہب کی تعلیمات کو چھوڑ چکے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے غیر مسلموں میں بھی یہ رواج پایا جاتا ہے۔

ماں کا دُودھ خواہ کتنی تھوڑی مقدار میں ہو، کبھی بچے کے لئے بہت مفید سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج کل کی عورتوں نے، خاص طور سے امریکا میں، اس طریقے کو بالکل چھوڑ دیا ہے، اور اب یہ فیشن عالمگیر ہوتا جارہا ہے۔ اور غالباً یہی سبب ہے کہ امریکی عورتوں میں سینے کے سرطان کا مرض تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں امریکا میں سرطان کی تحقیق کے لئے جو تیسری قومی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں سینے کے سرطان کا یہی سبب بیان کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بے شمار تحقیقات سے اس بیان کی تصدیق ہوگئی۔“

(ص:۸۳ شمارہ اگست ۱۹۶۸ء)

نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بڑا حصہ رُومی عیسائیوں کے ساتھ جہاد میں گزرا ہے، ایک مرتبہ رُومیوں کے ساتھ ایک مخصوص مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوگیا، جب جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہؓ لشکر لے کر نکلے۔ خیال تھا کہ دُشمن کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے مدت ختم ہوجائے گی، اور جونہی معاہدے کا زمانہ ختم ہوگا، فوراً دُشمن پر حملہ کردیا جائے گا، اور اس طرح کامیابی کی توقع زیادہ ہوگی۔ چنانچہ مدت ختم ہونے سے پہلے ہی حضرت معاویہؓ سرحد پر پہنچ گئے، اور جب وہ تاریخ آئی جس میں معاہدہ ختم ہونا تھا تو انہوں نے فوراً رُومیوں پر حملہ کردیا، رُومی لوگ اس جنگی چال سے بے خبر ہوں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حملہ کتنا کامیاب رہا ہوگا، لیکن جس وقت حضرت معاویہؓ یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، اور فتح و نصرت ان کے قدم چوم رہی تھی، اچانک پیچھے سے تکبیر کی آواز آئی، کوئی ''اللہ اکبر'' کہہ کہہ کر پکار رہا تھا:

''وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ''

(مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غدر وخیانت نہیں)

دیکھا تو ایک شہسوار چلا آرہا ہے، قریب آیا تو پتہ چلا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف صحابی عمرو بن عبسہؓ ہیں، حضرت معاویہؓ نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' فرمانے لگے: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی دُوسری قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اسے چاہئے کہ جب تک معاہدے کی مدت گزر نہ جائے تو فسخِ معاہدہ کا اعلان کئے بغیر نہ عہد کو توڑے اور نہ اس کے خلاف کوچ کرے۔'' حضرت معاویہؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو لشکر کو فوراً واپسی کا حکم دے دیا، اور فوجیں مفتوحہ علاقے کو چھوڑ کر واپس چلی گئیں۔ (دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۴۷، کتاب الجہاد، باب الامان، اصح المطابع کراچی، بحوالہ ابوداؤد وترمذی)

کیا دُنیا کی کوئی قوم وفاءِ عہد کی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے کہ دُشمن کے

مطالبے پر نہیں، خود اپنے ضمیر کی آواز پر مفتوحہ علاقہ چھوڑ کر چلی آئی ہو؟ــــ اس واقعے کے آئینے میں وہ لوگ بھی اپنی شکلیں دیکھیں:

جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اور وہ بھی جو امانت و دیانت کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ کے مقامِ بلند سے ناواقف ہیں اور ان کے بارے جھوٹے پروپیگنڈے سے مرعوب و متاثر۔ یہ وہی حضرت معاویہؓ ہیں جن کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے مُسلَّم قاعدوں کی خلاف ورزی سے دریغ نہیں کیاــــــ اور روایت بھی کسی تاریخ کتاب کی نہیں، ابوداؤد و ترمذی کی ہے۔

حضرت معاویہؓ اور عام خوشحالی

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات سونپے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر و اِحتیاج کی خبر گیری کے بجائے ان سے چھپ کر بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں اور فقر و اِحتیاج کی خبر گیری کے بجائے اس سے چھپ جاتا ہے۔“ یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے لوگوں کی ضروریات کی خبر گیری کے لئے ایک آدمی مقرر کر دیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۲۴، باب ما علی الولاۃ من التیسیر، بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

غالباً اسی واقعے کی تفصیل اِمام بغویؒ نے ابوقیسؒ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ہر قبیلے میں ایک آدمی مقرر کر دیا تھا، چنانچہ ہمارے قبیلے میں ابویحییٰ نامی ایک شخص ہر روز صبح کے وقت تمام مقامات پر گھومتا اور منادی کرتا کہ ”کیا آج رات تمہارے یہاں کوئی پیدا ہوا ہے؟، کیا آج رات کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟ کیا کوئی نیا شخص قبیلے میں داخل ہوا ہے؟“ اس کے جواب میں لوگ آ کر بتاتے کہ فلاں شخص یمن سے بیوی بچوں سمیت آ گیا ہے، جب یہ شخص پورے قبیلے سے فارغ ہو جاتا تو دیوان بیت المال میں جاتا، اور ان تمام نئے لوگوں کے نام دیوان میں درج کرا دیتا۔

(ابنِ تیمیہؒ: منہاج السنۃ ج:۳ ص:۱۸۵، بولاق مصر ۱۳۲۲ھ)

اسلامی حکومتوں کی آمدنی

محمد بن عبدوسؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا دارالحکومت بغداد تھا تو صرف دمشق کے ایک شہر میں بیت المال کی آمدنی چار لاکھ بیس ہزار دینار تھی۔ اور مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں صرف دمشق کی آمدنی سے فوجوں اور گورنروں کی تنخواہ، فقہاء، مؤذنین اور قاضیوں کے وظائف اور دیگر ضروری اخراجات کے بعد چار لاکھ دینار بیت المال میں بچ جایا کرتے تھے۔

(تہذیب ابن عساکر ج:۱ ص:۵۴، روضۃ الشام ۱۳۲۹ھ)

بڑوں کی لغزشیں

امام کسائیؒ علمِ نحو اور قراءتِ قرآن کے مشہور عالم ہیں، دونوں علوم میں ان کا مرتبہ محتاجِ تعارف نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز میں ہارون رشید کی اِمامت کی، تلاوت کرتے ہوئے مجھے اپنی قراءت خود پسند آنے لگی، ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پڑھتے پڑھتے مجھ سے ایسی غلطی ہوئی جو کبھی کسی بچے سے بھی نہ ہوئی ہوگی، میں "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ" پڑھنا چاہ رہا تھا، مگر منہ سے نکل گیا: "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعِيْنَ"۔

لیکن بخدا! ہارون رشید کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ تم نے غلط پڑھا، بلکہ سلام پھیرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: ''یہ کونسی لغت ہے؟'' میں نے کہا: ''یا امیر! کبھی سبک رو گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے'' ہارون رشید نے کہا: ''یہ بات ہے تو ٹھیک ہے!'' (الذہبیؒ: معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار ج:۱ ص:۱۰۳، دار الكتب الحديثة، مصر ۱۹۶۹ء)

عیب چینی کا انجام

اسی طرح امام ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ امام کسائیؒ اور امام یزیدیؒ ایک مرتبہ ہارون رشید کے یہاں جمع ہوگئے، دونوں علمِ قراءت کے اِمام ہیں، نماز کا وقت آیا تو امام کسائیؒ نے نماز پڑھائی، سورۂ "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" پڑھنی شروع کی، اسی کو

بھول گئے، نماز کے بعد امام یزیدیؒ نے کہا: ''مقامِ عبرت ہے کہ کوفہ کے قاری کو قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ہی میں بند لگ گیا۔''

بات آئی گئی ہوگئی، پھر اِتفاق سے ایک دن امام یزیدیؒ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو سورۂ فاتحہ ہی بھول گئے، سلام پھیرنے کے بعد انہیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تو یہ شعر پڑھا۔

احفظ لسانک لا تقول فتبتلی

إن البلاء موکل بالمنطق

(الذہبیؒ: معرفۃ القراء الکبار ج:۱ ص:۱۰۴)

دریائے نیل کے نام

حضرت عمرؓ کے زمانے کا ایک عجیب واقعہ اپنے بہت سے بزرگوں سے سنا تھا، لیکن کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا تھا، آج ابنِ تغری بردیؒ کی ''النجوم الزاہرۃ'' میں اس کی تفصیلات نظر پڑ گئیں، حاضرِ خدمت ہیں۔ ابنِ تغری بردیؒ لکھتے ہیں:

''جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا، اور اس کے گورنر بنے تو کچھ عرصہ بعد بؤونہ کا مہینہ آ گیا، (یہ ماہِ جون کا قبطی نام ہے ــــــ تقی) مہینے کے شروع ہوتے ہی مصر کے قدیم قبطی باشندوں کا ایک وفد حضرت عمروؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ: ''جنابِ امیر! ہمارے دریائے نیل کو ایک عادت ایسی پڑی ہوئی ہے کہ اگر اسے پورا نہ کیا جائے تو وہ چلنا بند ہوجاتا ہے۔'' حضرت عمروؓ نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' کہنے لگے: ''عادت یہ ہے کہ بؤونہ کے مہینے کی بارہ راتیں پوری ہوجاتی ہیں تو ہم ایک نوجوان دوشیزہ کو تلاش کرکے اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں، اور اسے بہترین زیور اور کپڑوں سے آراستہ کرکے دریا میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد وہ خوب بہنے لگتا ہے۔''

حضرت عمروؓ نے فرمایا: ''اسلام میں ایسا نہیں ہوسکتا، اسلام تمام پچھلی (جاہلانہ) رسموں کو منہدم کرتا ہے۔'' وفد یہ سن کر چلا گیا، لیکن ہوا واقعۃً یہی کہ بؤونہ

(جون) اَبیب (جولائی) اور مسری (اگست) تینوں مہینے گزر گئے اور دریائے نیل خشک پڑا رہا، یہاں تک کہ لوگ وہاں سے دُوسرے مقامات کی طرف جانے کا اِرادہ کرنے لگے، حضرت عمروؓ نے یہ دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ: ''تم نے ٹھیک کیا، اسلام واقعی پرانی (جاہلانہ) رسموں کو منہدم کرتا ہے، میں تمہارے پاس ایک پرچہ بھیج رہا ہوں، اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔''

حضرت عمروؓ نے وہ پرچہ کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا:

من عبدالله عمر أمير المؤمنين إلٰى نيل مصر، أمّا بعد، فإن كنت تجرى من قبلك فلا تجر، وإن كان الله الواحد القهار الذى يجريك، فنسأل الله الواحد القهار أن يجريك.

ترجمہ:- اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام، حمد و صلوٰۃ کے بعد ــــ اگر تو اپنی مرضی سے بہا کرتا ہے تو بہنا بند کردے، اور اگر خدائے واحد و قہار ہے جو تجھے چلاتا ہے، تو ہم اسی خدائے واحد و قہار سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے بہنے پر مجبور کردے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ پرچہ نصاریٰ کی عیدِ صلیب سے ایک دن پہلے دریا میں ڈال دیا، مصر کے باشندے وہاں سے بھاگنے کی پوری تیاریاں کرچکے تھے، اس لئے کہ ان کی زندگی کا دارومدار نیل کے پانی پر تھا، لیکن عیدِ صلیب کے دن جب صبح کو جاکر دیکھا تو نیل پوری آب و تاب کے ساتھ بہنا شروع ہوچکا تھا، اور ایک رات میں پانی کی سطح سولہ ذِراع بلند ہوگئی تھی۔ (ابنِ تغری بردیؒ: النجوم الزاهرة فی اخبار ملوک مصر والقاهرة ج:۱ ص:۳۵ و ۳۶، وزارة الثقافة والإرشاد القومی، مصر)

موحد چہ برپائے ریزی زرش

صحابہ کرامؓ حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ کا

محاصرہ کیے ہوئے تھے، اسی دوران حضرت عبادہ بن صامتؓ کسی ضرورت سے پڑاؤ سے کچھ فاصلے پر چلے گئے اور ایک جگہ گھوڑے سے اُتر کر نماز کی نیت باندھ لی، اتنے میں کچھ رُومی کافر گھومتے ہوئے ادھر آ نکلے، انہوں نے حضرت عبادہؓ کو تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو سوچا یہ انہیں قتل کرنے کا اچھا موقع ہے، چنانچہ وہ یہ بُری نیت لے کر حضرت عبادہؓ کی طرف بڑھے، حضرت عبادہؓ نماز میں مشغول رہے لیکن جب رُومی ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو انہوں نے جلدی سے سلام پھیرا، انتہائی پھرتی کے ساتھ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور رُومیوں پر حملہ کر دیا، رُومیوں کو ایک عابد درویش سے ایسی شجاعت کی توقع نہ تھی، جب اللہ کا یہ شیر ان کی طرف بڑھا تو وہ باگیں موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن حضرت عبادہؓ نے ان کا تعاقب نہ چھوڑا، وہ سب آگے آگے اور یہ تنہا پیچھے پیچھے۔ جب جان بچتی نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنا کچھ قیمتی سامان کمر کی پٹیاں کھول کھول کر زمین پر پھینکنا شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ عرب کا یہ صحرانشین یہ قیمتی سامان دیکھے گا تو اس کے لالچ میں ہمارا پیچھا چھوڑ کر سامان بٹورنے لگ جائے گا، لیکن عبادہؓ سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے، انہوں نے سامان کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھا اور تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ رُومی بمشکل تمام قلعے کے قریب پہنچے اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا، حضرت عبادہؓ تھوڑی دیر قلعے کے اُوپر سے پتھر برساتے رہے اور اس کے بعد لوٹ آئے۔

واپسی میں ان رُومیوں کا سامان زمین پر بکھرا پڑا تھا، مگر یہ درویشِ خدامست اسے اُٹھانے میں اپنا وقت کہاں برباد کرتے؟ واپس اسی جگہ پہنچے اور پھر نماز شروع کر دی۔ رُومیوں نے سامان جوں کا توں پڑا دیکھا تو باہر آ کر اسے اُٹھا لے گئے۔

(النجوم الزاہرہ ج:۱ ص:۹)

ایک عورت جو ہمیشہ قرآنی آیات سے گفتگو کرتی تھی

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، ایک سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ملی جس نے اُون کا قمیص پہنا ہوا تھا،

اور اُون ہی کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی، میں نے اسے سلام کیا، تو اس نے جواب میں کہا:

"سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ"

میں نے پوچھا: "اللہ تم پر رحم کرے، یہاں کیا کر رہی ہو؟" کہنے لگی:

"وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ" (جسے اللہ گمراہ کردے اس کا کوئی رہنما نہیں ہوتا)۔

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے، اس لئے میں نے پوچھا: "کہاں جانا چاہتی ہو؟"

کہنے لگی: "سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی)۔

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کرچکی ہے، اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا: "کب سے یہاں بیٹھی ہو؟"

کہنے لگی: "ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا" (پوری تین راتیں)۔

میں نے کہا: "تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آرہا، کھاتی کیا ہو؟"

جواب دیا: "هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ" (وہ اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے)۔

میں نے پوچھا: "وضو کس چیز سے کرتی ہو؟"

کہنے لگی: "فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا" (پاک مٹی سے تیمم کرلو)۔

میں نے کہا: "میرے پاس کچھ کھانا ہے، کھاؤ گی؟"

جواب میں اس نے کہا: "اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ" (رات تک روزوں کو پورا کرو)۔

میں نے کہا: "یہ رمضان کا تو زمانہ نہیں ہے!"

بولی: "وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ" (اور جو بھلائی کے ساتھ نفلی عبادت کرے تو اللہ شکر کرنے والا اور جاننے والا ہے)۔

میں نے کہا: ''سفر کی حالت میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے!''

کہنے لگی: "وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (اگر تمہیں ثواب کا علم ہو تو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے)۔

میں نے کہا: ''تم میری طرح کیوں بات نہیں کرتیں؟''

جواب ملا: "مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ" (انسان جو بات بھی بولتا ہے، اس کے لئے ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے)۔

میں نے پوچھا: ''تم ہو کون سے قبیلے سے؟''

کہنے لگی: "لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ" (جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو)۔

میں نے کہا: ''معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی!''

بولی: "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ" (آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے)۔

میں نے کہا: ''اگر چاہو تو میری اُونٹنی پر سوار ہو جاؤ، اور اپنے قافلے سے جاملو؟''

کہنے لگی: "وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ" (تم جو بھلائی بھی کرو، اللہ اسے جانتا ہے)۔

میں نے یہ سن کر اپنی اُونٹنی کو بٹھالیا، مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ" (مؤمنوں سے کہہ کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)۔

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور اس سے کہا: ''سوار ہو جاؤ!'' لیکن جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اُونٹنی بھاگ کھڑی ہوئی اور اس جدوجہد میں اس کے کپڑے پھٹ گئے، اس پر وہ بولی:

"مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ" (تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے)۔

میں نے کہا: ''ذرا ٹھہرو میں اُونٹنی کو باندھ دُوں، پھر سوار ہونا۔''

وہ بولی: "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ" (ہم نے اس مسئلے کا حل سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھادیا)۔

میں نے اُونٹنی کو باندھا، اور اس سے کہا: "اب سوار ہو جاؤ" وہ سوار ہوگئی اور یہ آیت پڑھی: "سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" (پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لئے رام کردیا، اور ہم اس کو رام کرنے والے نہیں تھے، اور بلاشبہ ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

میں نے اُونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا، میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا، اور ساتھ ہی زور زور سے چیخ کر اُونٹنی کو ہنکا بھی رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ بولی:

"وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ" (اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز پست رکھو)۔

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا، اور کچھ اَشعار ترنم سے پڑھنے شروع کئے، اس پر اس نے کہا: "فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (قرآن میں سے جتنا حصہ پڑھ سکو، وہ پڑھو)۔

میں نے کہا: "تمہیں اللہ کی طرف سے بڑی نیکیوں سے نوازا گیا ہے۔"

بولی: "وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" (صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا: "تمہارا کوئی شوہر ہے؟"

بولی: "لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" (ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بُری لگیں)۔

اب میں خاموش ہوگیا، اور جب تک قافلہ نہیں مل گیا، میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی، قافلہ سامنے آگیا تو میں نے اس سے کہا: "یہ قافلہ سامنے آگیا ہے، اس میں تمہارا کون ہے؟"

کہنے لگی: "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" (مال اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں)۔

میں سمجھ گیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: ''قافلے میں ان کا کام کیا ہے؟''

بولی: ''وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ'' (علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ معلوم کرتے ہیں)۔

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں، چنانچہ میں اسے لے کر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا: ''یہ خیمے آگئے ہیں، اب بتاؤ تمہارا (بیٹا) کون ہے؟''

کہنے لگی: ''وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا''، ''وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا''، ''يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ''۔

یہ سن کر میں نے آواز دی: ''یا ابراہیم! یا موسیٰ! یا یحییٰ!''

تھوڑی سی دیر میں چند نوجوان جو چاند کی طرح خوبصورت تھے، میرے سامنے آکھڑے ہوئے۔

جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس عورت نے اپنے بیٹوں سے کہا:

''فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ'' ۔(اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے، سو اس میں سے تمہارے واسطے کچھ کھانا لے آئے)۔

یہ سن کر ان میں سے ایک لڑکا گیا اور کچھ کھانا خرید لایا، وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت نے کہا: ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ'' (خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو، بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں)۔

اب مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے لڑکوں سے کہا:

''تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے، جب تک تم مجھے اس عورت کی حقیقت نہ بتلاؤ!''

لڑکوں نے بتایا کہ: ''ہماری ماں کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے، چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا۔ اور یہ پابندی اس

نے اپنے اُوپر اس لئے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز یا نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے۔"

میں نے کہا: "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ"۔

(الابشیہیؒ: المستطرف فی کل فن مستظرف ج:۱ ص:۵۶ و۵۷، عبدالحمید احمد حنفی، مصر ۱۳۶۸ھ)

ایک بڑھیا کا حسنِ طلب

حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ معروف صحابی ہیں، اور ایک زمانے تک مصر کے گورنر رہے ہیں، موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بڑھیا ان کے پاس آئی اور کہنے لگی: "مجھے شکایت ہے کہ میرے گھر میں کیڑے مکوڑے بہت کم ہیں۔"

حضرت قیس نے فرمایا: "کیا اچھا کنایہ ہے، اس کا گھر روٹی، گوشت، گھی اور کھجور سے بھر دو۔" (النجوم الزاہرہ ج:۱ ص:۹۶)

واثق کے دربار میں ایک پابہ زنجیر عالم جنھوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا

عباسی عہد میں ایک طویل زمانہ "فتنۂ خلقِ قرآن" کے ہنگاموں میں گزرا ہے، اس زمانے کا عقلیت پسند گروہ جو "معتزلہ" کے نام سے مشہور تھا، سرکاری سرپرستی میں فروغ پارہا تھا۔ اسی فرقے نے عالمِ اسلام میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ "قرآن مخلوق ہے" اور چونکہ اس نظریے کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی تھی، اس لئے اہلِ حق میں جو علماء اس کے مخالف تھے، انہیں شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔ معتصم باللہ اور واثق باللہ خاص طور سے اس معاملے میں دِلچسپی لیتے تھے، معتزلہ کی حمایت میں اہلِ حق کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے۔ ان کے دربار میں احمد بن ابی داؤد معتزلہ کا سرگروہ تھا، اور ہر ممکن طریقے سے اپنے مخالفین کو خلیفہ کے ذریعے سزائیں دِلواتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے بزرگوں کو اسی بناء پر کوڑے لگائے گئے کہ وہ اس سرکاری نظریے کے حامی نہیں تھے۔

اس ملک گیر فتنے کی آگ اللہ نے ایک بوڑھے عالم کے ذریعے بجھائی جنھوں نے اپنی فراستِ ایمانی، عزیمت و اِستقامت، قوتِ ایمان ویقین اور دِل کے

سوز و ساز سے واثق کے دربار کی کایا پلٹ ڈالی۔ یہ واقعہ تو واثق باللہ کے دور میں پیش آیا تھا، لیکن اس کی تفصیل واثق کے بیٹے خلیفہ مہتدی باللہ نے اپنے زمانے کے ایک عالم شیخ صالح بن ہاشمی کو سنائی۔

شیخ صالح بن ہاشمی کہتے ہیں کہ میں ایک دن مہتدی باللہ کے دربار میں پہنچا تو وہ ستم رسیدہ انسانوں کی دادرسی کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ ہر کس و ناکس آسانی کے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے مہتدی کے پاس خود پہنچ جاتا ہے، جو مصیبت زدہ خود وہاں نہیں آسکتے، ان کے خطوط خلیفہ کے پاس پہنچ رہے ہیں، اور خلیفہ ان تمام لوگوں کی شکایتیں بڑی حسن و خوبی کے ساتھ دُور کر رہے ہیں۔ مجھے یہ منظر بے حد پسند آیا۔ جب خلیفہ کسی آدمی سے بات کرتے یا کوئی خط پڑھنے لگتے تو میں انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا، اور جب وہ میری طرف دیکھتے تو نظریں جھکا لیتا۔

میری یہ کیفیت خلیفہ مہتدی نے دیکھ لی، اور کہنے لگے: ''صالح! میرا خیال ہے کہ آپ کے دِل میں کوئی بات ہے، جو آپ مجھ سے کہنا چاہتے ہیں۔'' میں نے اِثبات میں جواب دیا، اور جب وہ دربار سے فارغ ہو کر نماز کی چٹائی پر پہنچے تو مجھ سے کہا: ''اپنے دِل کی بات آپ خود بتائیں گے یا میں ہی بتا دوں؟''

میں نے کہا: ''آپ ہی بتا دیں!'' مہتدی نے کہا: ''میرا خیال ہے کہ آپ کو میری یہ مجلس پسند آئی ہے۔''

میں نے کہا: ''ہمارا خلیفہ بھی کیسا اچھا خلیفہ ہے! بشرطیکہ وہ اپنے باپ (واثق باللہ) کی طرح نظریۂ خلقِ قرآن کا قائل نہ ہو۔''

یہ سن کر مہتدی باللہ نے کہا: ''میں ایک مدّت تک اس نظریے کا قائل رہا ہوں، لیکن پھر ایک دن میرا نظریہ بدل گیا!'' یہ کہہ کر انہوں نے واثق باللہ کے زمانے کا مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

احمد بن ابی داؤد معتزلہ کا بہت بڑا عالم تھا، اور خلیفہ واثق کا منہ چڑھا، اس نے شامی سرحد کے قریب ایک شہر ''اذنہ'' سے ایک اہلِ سنت بزرگ عالم کو اس جرم میں گرفتار کر لیا کہ وہ نظریۂ خلقِ قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

یہ شامی بزرگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے واثق کے دربار میں پہنچے، نکلتا ہوا قد، بال خوبصورت اور سفید، چہرے پر وقار و تمکنت اور رُعب و جلال، انہوں نے بے پروائی کے ساتھ سلام کیا، کوئی مختصری دُعا دی، میں نے دیکھا کہ واثق کی آنکھوں کی پتلیاں انہیں دیکھ کر شرم و حیا سے جھکی جارہی ہیں۔ واثق نے کہا:

"شیخ! ابوعبداللہ احمد بن ابی داؤد کے سوالات کا جواب دو۔"

"امیرالمؤمنین!" شامی بزرگ نے کہا: "مناظرے کے وقت احمد بن ابی داؤد بہت کمزور، ضعیف اور حقیر ثابت ہوتے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ واثق کا چہرہ ایک دم غضب ناک ہوگیا اور وہ بولا:

"کیا کہا؟ ابوعبداللہ تم سے مناظرہ کرتے وقت کمزور اور ضعیف اور حقیر ثابت ہوں گے؟"

"امیرالمؤمنین!" شامی بزرگ بولے: "ذرا ٹھنڈے دِل سے کام لیجئے، اِجازت ہو تو میں آپ کے سامنے احمد بن ابی داؤد سے گفتگو کروں؟"

"میری طرف سے اجازت ہے" واثق نے کہا۔

"احمد! یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کو کس عقیدے کی طرف دعوت دیتے ہو؟" شیخ نے احمد کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔

"اس عقیدے کی طرف کہ قرآن مخلوق ہے" احمد نے کہا۔

"کیا یہ عقیدہ دِین کا ایسا جز ہے کہ اس کے بغیر دِین مکمل نہیں ہوتا؟" شیخ نے پوچھا۔

"ہاں!" احمد نے جواب دیا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدے کی دعوت دی تھی یا نہیں؟"

"نہیں!" احمد نے کہا۔

"اچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے کو جانتے تھے یا نہیں؟" شیخ نے پوچھا۔

"جانتے تھے" احمد نے جواب دیا۔

"پھر تم آخر ایسے عقیدے کی دعوت کیوں دیتے ہو جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے نہیں دی۔'' شیخ نے کہا۔ یہ سن کر احمد لاجواب ہو گیا۔ شیخ نے واثق سے مخاطب ہو کر کہا:
''امیر المؤمنین! یہ ایک بات ہوئی۔'' اس کے بعد وہ پھر احمد کی طرف متوجہ ہو کر بولے:
''احمد! مجھے ایک بات اور بتاؤ، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:
''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (آج کے دِن میں نے تمہارا دِین تمہارے لئے مکمل کردیا) لیکن تم کہتے ہو کہ دِین اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک انسان خلقِ قرآن کا قائل نہ ہو۔ اب تمہیں سچا مانیں یا اللہ کو؟''
احمد کے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ شیخ نے پھر واثق سے کہا:
''امیر المؤمنین! یہ دُوسری بات ہے۔'' تھوڑی دیر کے بعد شیخ پھر احمد سے مخاطب ہوئے اور بولے:
''احمد! مجھے ایک بات بتاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ'' (اے رسول! جو احکام آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کئے گئے ہیں، ان کی تبلیغ کیجئے، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (اس کا مطلب یہ ہے کہ) آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا)۔
اب سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ جس کی طرف تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت تک پہنچایا یا نہیں؟''
احمد پھر لاجواب ہو گیا۔ شیخ پھر واثق کی طرف متوجہ ہو کر بولے: ''امیر المؤمنین! یہ تیسرا موقع ہے۔'' تھوڑی دیر کے بعد شیخ نے احمد سے کہا:
''احمد! ایک بات اور بتاؤ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے مخلوق ہونے کا علم تھا، مگر آپ نے یہ بات لوگوں کو نہیں بتائی، تو کیا آپ کے لئے اس مسئلے کو نظر انداز کردینا جائز تھا یا نہیں؟''
''ہاں جائز تھا'' احمد نے کہا۔
''اسی طرح ابوبکر کے لئے بھی جائز تھا؟ اور عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے لئے بھی؟'' شیخ نے پوچھا۔
''ہاں!'' احمد نے کہا۔

اب شیخ واثق کی طرف رُخ کر کے بولے:

''امیر المؤمنین! جو وسعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی، اور آپ کے صحابہؓ کو بھی، اگر وہ ہم لوگوں کو حاصل نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں کوئی وسعت عطا نہیں فرمائی۔''

اس پر واثق نے کہا: ''واقعی ٹھیک کہتے ہو، اگر کوئی وسعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو حاصل ہو اور ہمیں حاصل نہ ہو تو اللہ ہم پر کوئی وسعت نہ کرے۔''

یہ کہہ کر واثق نے حکم دیا: ''ان کی زنجیریں کاٹ دو!''

جب خادموں نے شیخ کی زنجیریں کھول دیں اور انہیں اُٹھا کر لے جانا چاہا تو شیخ نے زنجیریں پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اور انہیں خادموں کے ہاتھ سے چھڑانے لگے، واثق نے پوچھا:

''شیخ! یہ کیا بات ہوئی؟ زنجیریں کیوں نہیں چھوڑتے؟''

شیخ نے جواب دیا: ''میں نے یہ نیت کی ہے کہ ان زنجیروں کو حفاظت سے رکھوں گا اور یہ وصیت کر کے مروں گا کہ یہ زنجیریں میری قبر میں میرے کفن کے ساتھ رکھ دی جائیں، اس کے بعد اللہ سے کہوں گا کہ پروردگار! اپنے بندے سے پوچھئے کہ اس نے مجھے ناحق ان زنجیروں میں جکڑ کر میرے گھر والوں کو کیوں پریشان کیا تھا؟''

واثق یہ سن کر رو پڑا، شیخ بھی آبدیدہ ہو گئے، اور مجلس کے سارے حاضرین کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

''شیخ! مجھے معاف کر دو'' واثق نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

شیخ نے کہا: ''میں نے آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا جب میں اپنے گھر سے نکلا تھا، اس لئے کہ میرے دل میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے، اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کا رشتہ رکھتے ہیں۔''

یہ سن کر واثق کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا، اس نے کہا:

''آپ میرے پاس رہیے تاکہ میں آپ سے اُنس حاصل کر سکوں۔''

شیخ نے جواب دیا: ''میرا وہیں سرحد کے قریب رہنا زیادہ مفید ہے، میں

بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرے بہت سے مسائل ہیں۔"

واثق نے کہا: "جس چیز کی آپ کو ضرورت ہو طلب کر لیجئے!"

شیخ نے کہا: "امیر المؤمنین! مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں وہیں چلا جاؤں جہاں سے یہ ظالم (احمد بن ابی داؤد) مجھے نکال لایا تھا۔"

واثق نے شیخ کو جانے کی اجازت دے دی، انہیں کچھ انعام بھی پیش کیا، لیکن شیخ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

مہتدی باللہ نے یہ واقعہ سنا کر کہا: "اس وقت سے میں نظریۂ خلقِ قرآن سے رُجوع کر چکا ہوں، اور میرا خیال ہے کہ واثق باللہ نے بھی رُجوع کر لیا تھا۔" (الشاطبی: الاعتصام ج:۱ ص:۳۲۴ تا ۳۲۷، مطبعة المنار، مصر ۱۳۳۲ھ بحوالہ مروج الذہب للمسعودی)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

مالک الدار کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار لے کر انہیں ایک تھیلی میں بھرا اور غلام سے کہا کہ: یہ تھیلی ابوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس لے جاؤ اور انہیں سپرد کر کے کچھ دیر انتظار کرو اور دیکھو کہ وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں؟ پھر مجھے آکر بتاؤ۔ غلام وہ تھیلی لے کر حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچا اور کہا: "امیر المؤمنین نے کہا ہے کہ یہ دینار آپ اپنی ضروریات میں صَرف کر لیں۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے تھیلی لیتے ہوئے جواب دیا: "اللہ انہیں بہتر صلہ دے اور ان پر رحمتیں نازل کرے" اس کے بعد اپنی ایک باندی کو بلایا اور اس سے کہا: "لو یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ، پانچ فلاں کو اور یہ پانچ فلاں کو" یہاں تک کہ سارے کے سارے دینار انہوں نے مختلف آدمیوں کے پاس بھیج کر ختم کر دیئے۔

غلام نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ بتایا تو دیکھا کہ انہوں نے اسی جیسی ایک اور تھیلی تیار کی ہوئی ہے، حضرت عمرؓ نے یہ تھیلی بھی غلام کے حوالے کی اور کہا کہ: "جاؤ یہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ اور جو کچھ وہ کریں وہ بھی مجھے بتاؤ۔"

غلام حضرت معاذؓ کے پاس پہنچا، اور کہا: "امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ یہ

دینار آپ اپنے کام میں لے آئیں۔" حضرت معاذؓ نے تھیلی وصول کر لی اور دُعا دی کہ: "اللہ تعالیٰ انہیں نیک صلہ دے اور ان پر رحمت بھیجے۔" یہ کہہ کر انہوں نے بھی باندی کو آواز دی اور اس سے کہا: "لو اتنی رقم فلاں کے گھر میں پہنچا دو، اتنی فلاں کے گھر میں اور اتنی فلاں کے پاس۔" اتنے میں حضرت معاذؓ کی بیوی نے پردے کے پیچھے سے جھانک کر کہا:

"خدا کی قسم! ہم بھی ضرورت مند ہیں، کچھ ہمیں بھی دے دیجئے۔"

حضرت معاذؓ نے تھیلی کو ٹٹولا تو اس میں صرف دو دینار بچے تھے، یہ دو دینار انہوں نے بیوی کی طرف پھینک دیئے۔

غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آیا، در انہیں سارا قصہ سنایا، حضرت عمرؓ بہت مسرور ہوئے اور کہا: "یہ سب لوگ بھائی بھائی ہیں ایک کے ایک برابر۔"

(المنذریؒ: الترغیب والترہیب ج:۴ ص:۴۲،۴۱، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، بحوالہ طبرانی فی الکبیر)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک نصیحت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبداللہؒ کو لکھا کہ میرے پاس حضرت عمر بن خطابؓ کے کچھ خطوط بھیج دو، حضرت سالم بن عبداللہؒ نے جواب میں لکھا:

"اے عمر! ان بادشاہوں کو یاد کرو جن کی لذت اندوزیاں کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں، آج ان کی آنکھیں پھوٹ چکیں، جن کے پیٹ کبھی سیر نہیں ہوتے تھے، آج وہ پیٹ پچک گئے، آج وہ زمین کے آغوش میں ایسے مردار بن چکے ہیں کہ کوئی ادنیٰ فقیر بھی ان کے پاس بیٹھ جائے تو بدبو سے بے چین ہو جائے۔"

(ابونعیم الاصفہانیؒ: حلیۃ الاولیاء ج:۲ ص:۱۹۴، بیروت ۱۳۸۷ھ)

نعمت کے اثرات نظر آنے چاہئیں

ایک روز امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مجلس میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بہت بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، امام صاحبؒ نے اس شخص سے کہا: "یہ

جائے نماز اُٹھاؤ، اور اس کے نیچے جو کچھ رکھا ہو لے لو۔'' اس شخص نے جائے نماز کو اُٹھایا تو دیکھا کہ ایک ہزار درہم رکھے ہوئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''یہ درہم لے جاؤ، اور اس سے اپنی حالت دُرست کرلو۔'' اب وہ شخص بولا کہ: ''میں تو مال دار آدمی ہوں، اللہ نے مجھے بہت سی نعمتیں دی ہیں، مجھے ان دراہم کی ضرورت نہیں۔'' امام صاحبؒ نے فرمایا: ''کیا تم نے وہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے پر اللہ کی نعمتوں کے آثار دُوسروں کو نظر آئیں؟ تمہیں چاہئے تھا کہ اپنی حالت ٹھیک کرتے تاکہ دیکھ کر تمہارا کوئی دوست مغموم نہ ہو۔''

(خطیبؒ: تاریخ بغداد ج:۱۳ ص:۳۶۱، بیروت)

پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے، ہر طرح کا علاج کراچکا ہوں، بہت سے اطباء سے بھی رُجوع کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں، وہاں جاکر ایک کنواں کھودو، مجھے اُمید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہوگا تو تمہارا خون رُک جائے گا۔ اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہوگیا۔

یہ واقعہ علامہ منذریؒ نے امام بیہقیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ اسی جیسا ایک واقعہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ حاکمؒ کا بھی ہے، ان کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئی تھیں، بہت سے علاج کئے، مگر پھنسیاں ختم نہیں ہوئیں۔ تقریباً سال بھر اس تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ جمعہ کے دن امام ابوعثمان صابونیؒ کی مجلس میں پہنچے اور ان سے دُعا کی درخواست کی، امام صابونیؒ نے ان کے لئے دُعا کی، حاضرین نے آمین کہی۔

اگلے جمعہ کو ایک عورت نے امام صابونیؒ کی مجلس میں ایک پرچہ بھجوایا، اس

میں لکھا تھا کہ پچھلے جمعہ کو شیخ ابوعبداللہ حاکمؒ کی دُعائے صحت کے بعد گھر گئی، وہاں جاکر بھی میں نے ان کی صحت کے لئے بہت دُعا کی، اسی رات مجھے خواب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ: ابوعبداللہ سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت کے ساتھ پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔

شیخ حاکمؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل لگادی جس سے لوگ خوب پانی پیتے تھے، اس واقعے کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ شیخ پر شفا کے آثار ظاہر ہونے لگے، پھنسیاں ختم ہوگئیں، اور چہرہ پہلے کی طرح صاف اور خوبصورت ہوگیا، اس کے بعد وہ کئی سال زندہ رہے۔

(الترغیب والترہیب للمنذریؒ ج:۲ ص:۵۳،۵۴ فصل فی الصدقة والحث علیها)

اِمام ابوحنیفہؒ کی ذہانت

علامہ ابنِ جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے گھر میں رات کو چور گھس آئے، مالکِ مکان کو گرفتار کرلیا، اور اس کا سارا سامان سمیٹ کر لے جانے لگے، جانے سے پہلے انہوں نے مالکِ مکان کو قتل کرنے کا اِرادہ کیا، لیکن ان کے سردار نے کہا کہ: ''اس کا سامان تو سارا لے جاؤ، مگر اسے زندہ چھوڑ دو، اور قرآن اس کے ہاتھ پر رکھ کر اسے قسم دو کہ میں کسی شخص کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ چور کون تھے؟ اور اگر میں نے کسی کو بتایا تو میری بیوی کو تین طلاق۔''

مالکِ مکان نے جان بچانے کی خاطر یہ قسم کھالی، لیکن بعد میں بڑا پریشان ہوا، صبح کو بازار میں گیا تو دیکھا کہ وہی چور چوری کا مال بڑے دھڑلے سے فروخت کر رہے ہیں، اور یہ بیوی پر طلاق کے خوف سے زبان بھی نہیں کھول سکتا، عاجز آکر یہ اِمام ابوحنیفہؒ کے پاس پہنچا، اور ان سے بتایا کہ رات اس اس طرح کچھ چور میرے گھر میں گھس آئے تھے، اور انہوں نے مجھے ایسی قسم دی، اب میں ان کا نام ظاہر نہیں کرسکتا، کیا کروں؟

اِمام صاحبؒ نے کہا کہ: تم اپنے محلے کے معزز اَفراد کو جمع کرو، میں ان سے

ایک بات کہوں گا، اس شخص نے لوگوں کو جمع کرلیا، امام صاحبؒ نے وہاں پہنچ کر ان سے کہا کہ:

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس شخص کو اس کا مال واپس مل جائے؟"

"ہاں چاہتے ہیں" ان سب نے کہا۔

امام صاحبؒ نے فرمایا: "پھر ایسا کیجئے کہ اپنے ہاں کے سارے غنڈوں کو جامع مسجد میں جمع کیجئے، اور پھر ایک ایک کرکے انہیں باہر نکالئے، جب کوئی باہر نکلے تو آپ اس شخص سے پوچھئے کہ: "کیا یہی وہ چور ہے؟" اگر وہ چور نہ ہو تو یہ انکار کردے، اور اگر وہی چور ہو تو خاموش رہے، نہ ہاں کہے نہ نہیں، اس موقع پر آپ سمجھ جائیے کہ یہی وہ چور ہے، اس طرح چور کا پتہ بھی لگ جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق نہ ہوگی۔"

سب نے اس تجویز پر عمل کیا، چور پکڑا گیا اور اس بیچارے کو اپنا مال بھی واپس مل گیا۔ (تقی الدین حمویؒ: ثمرات الاوراق علی المستطرف ج:۱ ص:۱۴۶، ۱۴۷)

ایضاً

ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بہت عرصہ ہوا، میں نے اپنا کچھ مال کسی جگہ دفن کیا تھا، اب وہ جگہ یاد نہیں آرہی، کوئی تدبیر بتائیے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کوئی فقہ کی بات تو ہے نہیں، البتہ ایک تدبیر بتاتا ہوں، گھر جاؤ اور آج ساری رات نماز پڑھو، اُمید ہے کہ ان شاء اللہ تمہیں وہ جگہ یاد آجائے گی۔

وہ شخص چلا گیا۔ ابھی چوتھائی رات ہی گزری تھی کہ اسے وہ جگہ یاد آگئی، اس نے جاکر امام ابوحنیفہ کو بتایا تو انہوں نے کہا: "مجھے خیال یہی تھا کہ شیطان تمہیں ساری رات نماز نہیں پڑھنے دے گا، لیکن تمہیں چاہئے تھا کہ جگہ یاد آنے کے بعد بھی پوری رات نماز پڑھتے رہتے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔" (ایضاً ج:۱ ص:۱۴۶)

امام ابوحنیفہؒ کا ایک خواب

چار رکعت کی نماز میں جب دُوسری رکعت پر بیٹھتے ہیں تو صرف التحیات

پڑھی جاتی ہے، دُرود نہیں پڑھا جاتا، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے دُوسری رکعت کے قعدے میں التحیات کے بعد "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" تک پڑھ لے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے، اس کے متعلق امام صاحبؒ کا ایک لطیفہ منقول ہے، اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور نے پوچھا کہ:

"جو شخص مجھ پر دُرود پڑھے تم اس پر سجدۂ سہو کو کیسے واجب کہتے ہو؟"

امام صاحبؒ نے جواب دیا: "اس لئے کہ اس نے آپ پر دُرود بھول میں پڑھا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام صاحبؒ کے اس جواب کو پسند فرمایا۔

(البحر الرائق ج:۲ ص:۱۰۵)

ایک حدیث کے لئے ایک سال!

علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت غالب قطانؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے تھوڑا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے متقدمین نے کیسی کیسی صعوبتیں اُٹھائی ہیں، اور ایک ایک حدیث کتنی قدر و منزلت کے ساتھ حاصل کی ہے؟

حضرت غالب قطانؒ رُوئی کے تاجر تھے، تجارت ہی کے سلسلے میں ایک مرتبہ کوفہ گئے، سفر خالص تجارتی تھا، لیکن جب کوفہ پہنچے تو سوچا کہ یہاں کے علمائے حدیث سے اِستفادہ بھی کرنا چاہئے، اس زمانے میں وہاں مشہور محدث حضرت سلیمان اعمشؒ درسِ حدیث دیا کرتے تھے، یہ ان کے حلقے میں جانے لگے، اور بہت سی حدیثیں ان سے حاصل کیں۔

بالآخر جب تجارت کا کام ختم ہوگیا اور انہوں نے واپس بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو آخری رات حضرت اعمشؒ ہی کی خدمت میں گزاری، آخر شب میں حضرت اعمشؒ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں یہ آیت تلاوت کی:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ
قَآئِمًا بِالْقِسْطِ.

اس تلاوت کے ساتھ حضرت اعمشؒ نے کچھ اور کلمات بھی کہے جس سے حضرت غالب قطانؒ یہ سمجھے کہ ان کو اس آیت سے متعلق کوئی حدیث معلوم ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت جب وہ امام اعمشؒ سے رخصت ہونے لگے تو ان سے کہا: ''رات میں نے دیکھا کہ آپ فلاں آیت بار بار پڑھ رہے تھے، تو کیا اس آیت کے بارے میں آپ کو کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں سال بھر سے آپ کے پاس ہوں، آپ نے مجھے یہ حدیث نہیں سنائی۔''

اس کے جواب میں امام اعمشؒ کے منہ سے نکل گیا:

وَاللّٰهِ لَا اُحَدِّثُكَ بِهٖ سَنَةً.

ترجمہ:- خدا کی قسم! میں سال بھر اور تمہیں یہ حدیث نہیں سناؤں گا۔

غالب قطانؒ تاجر آدمی تھے، کاروباری سلسلے میں آئے تھے، جتنا کچھ انہوں نے حاصل کرلیا تھا وہ کچھ کم نہ تھا، اور صرف ایک حدیث کی بات تھی، اور حدیث بھی کوئی احکام سے متعلق نہیں فضائلِ آیات سے متعلق ہے، لیکن شوق و ذوق دیکھئے کہ یہ سن کر انہوں نے فوراً اپنا سفر منسوخ کرکے مزید سال بھر امام اعمشؒ کے پاس رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ خود فرماتے ہیں:

''میں وہیں ٹھہر گیا، اور امام اعمش کے دروازے پر اس دن کی تاریخ درج کردی، جب پورا ایک سال گزر گیا تو میں نے ان سے کہا: ابو محمد! سال گزر چکا ہے، اب وہی حدیث سنا دیجئے۔''

اس پر امام اعمشؒ نے حدیث سنائی، حدیث یہ تھی:

حدثني أبو وائل عن عبدالله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يجاء بصاحبها يوم القيامة فيقول الله تعالى: عبدي عهد إليّ وأنا أحق من وفى بالعهد أدخلوا عبدي الجنّة.

ترجمہ:- مجھے ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیات "شَهِدَ اللهُ" الخ پڑھا کرتا ہو اسے قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے مجھ سے عہد کیا تھا، اور میں ایفائے عہد کا سب سے زیادہ حق دار ہوں، میرے بندے کو جنت میں داخل کردو۔

(ابنِ عبدالبرؒ: جامع بیان العلم وفضلہ ج:۱ ص:۹۹، ادارة الطباعة المنيرية، مصر)

عیادتِ مریض کے آداب ولطائف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت کو اسلامی حقوق میں سے قرار دیا ہے، لیکن بہت سے حضرات کو عیادت کے آداب کا علم نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ بیمار کو تسلی دینے اور آرام پہنچانے کے بجائے اس کی تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے عیادت کے آداب سکھائے ہیں، ہر مسلمان کو ان کی رعایت کرنی چاہئے:

الف:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ سے اسے چھوتے اور یہ دُعا پڑھتے: "اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآئُكَ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سُقْمًا"۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ بخاری ومسلم)

ب:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیادت کی سنت یہ ہے کہ مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا جائے اور شور کم کیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ج:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "العيادة فواق ناقة" یعنی بیمار کی عیادت بس اتنی دیر ہونی چاہئے جتنی دیر اُونٹنی کو دو مرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفے میں لگتی ہے (یعنی تھوڑی سی دیر)۔

د:- حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ: "افضل ترین عیادت وہ ہے جس

میں بیمار پُرسی کرنے والا جلدی اُٹھ کر چلا جائے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقیؒ)

ان روایات کی روشنی میں علماء نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے کہ عیادت کرنے والا بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے جس سے بیمار کو زحمت ہو۔ مُلّا علی قاریؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ ہم ایک مرتبہ مشہور صوفی بزرگ حضرت سری سقطیؒ کی عیادت کو گئے، اور دیر تک بیٹھے رہے، وہ پیٹ کے درد سے بے چین ہو رہے تھے اور ہم اُٹھتے نہ تھے، بالآخر ہم نے ان سے کہا کہ: "ہمارے لئے دُعا فرمایئے تو ہم چلیں۔"

اس پر حضرت سری سقطیؒ نے دُعا فرمائی کہ: "اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُمْ كَيْفَ يَعُوْدُوْنَ الْمَرْضٰى" یا اللہ! انہیں بیماروں کی عیادت کا طریقہ سکھا دیجئے۔

ایسا ہی ایک لطیفہ منقول ہے کہ ایک شخص کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور وہاں جم کر بیٹھ گیا، بیمار بیچارہ پریشان تھا، جب اس نے دیکھا کہ یہ شخص کسی طرح اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تو اس نے کہا: "آنے جانے والوں کی کثرت نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔" لیکن وہ بندۂ خدا اب بھی نہ سمجھا، بولا: "آپ فرمایئے تو اُٹھ کر دروازہ بند کر دوں؟"

بیمار نے عاجز آ کر کہا: "ہاں، لیکن باہر سے!"

مُلّا علی قاریؒ یہ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: البتہ اگر آدمی کو یقین ہو کہ میرے زیادہ بیٹھنے سے بیمار خوش ہوگا تو مضائقہ نہیں۔"

(مرقاۃ المفاتیح ج:۲ ص:۳۱۸ و ۳۱۹ کتاب الجنائز)

فوج کی تنظیم

برّی فوج

پاکستان کی برّی افواج دو حصوں پر مشتمل ہیں، ایک حصے کا نام "آرمز" ہے اور دُوسرے کا "سروسز"۔ افواج کا وہ حصہ جو عملی طور پر جنگ میں حصہ لیتا ہے "آرمز" کہلاتا ہے، اور وہ شعبے جو جنگ میں حصہ لینے والے سپاہیوں کی بے شمار ضروریات کی نگرانی اور اِنتظام کرتے ہیں "سروسز" کہلاتے ہیں۔ سروسز والوں کو بھی فوجی تربیت دے کر مسلح کیا جاتا ہے اور وہ بھی اکثر جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔ "آرمز" میں عام طور

پر بکتر بند کوریں، توپ خانہ، انجینئرز، سگنلز اور پیادہ فوج شامل ہوتی ہے، اور سروسز میں آرمی سروس کور، آرمی آرڈیننس کور، آرمی میڈیکل کور، الیکٹریکل و میکینکل کور، آرمی ڈینٹل کور، آرمی ایجوکیشنل کور، ملٹری پولیس کور اور آرمی کلرک کور شامل ہوتی ہے۔

بکتر بند کور

اس کور کی تشکیل فوجی رسالہ کی قدیم رجمنٹوں میں سے کی گئی ہے، ان رجمنٹوں کو قیامِ پاکستان سے پہلے مشینی آلات سے لیس کیا گیا تھا، اب انہیں مختلف قسم کے ٹینکوں سے مضبوط بنادیا گیا ہے، یہ ٹینک مختلف قسم کے کام کرتے ہیں۔

توپ خانہ

توپ خانہ میں کئی قسم کی توپیں ہوتی ہیں، جن کا کام مختلف نوعیت کا ہوتا ہے اور یہ پیادہ فوج اور بکر بند دستوں کی جارحانہ یا دفاعی حملے کے وقت مدد کرتی ہیں۔ توپوں کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: بھاری، درمیانی، پہاڑی، طیارہ شکن، توپ خانے کی مختلف رجمنٹوں کا نام بھی توپ کی قسم پر ہی رکھا جاتا ہے۔ مثلاً میڈیم رجمنٹ، فیلڈ رجمنٹ، وغیرہ۔ توپ خانے کی وہ رجمنٹیں جو بکتر بند ہوتی ہیں عام طور پر اپنی توپیں ٹینک قسم کی گاڑیوں پر لادتی ہیں جنھیں ایس پی (خودکار) آرٹلری یونٹوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

انجینئرز کور

فوجی انجینئروں کے یہ فرائض ہیں کہ وہ پُل تعمیر کریں، پُل اُڑائیں، سڑکیں اور ہوائی اَڈے تعمیر کریں، سرنگیں بچھائیں، سرنگیں صاف کریں اور اَمن اور جنگ کے زمانے میں انجینئری سے متعلقہ کام کریں۔

آرمی سگنلز کور

یہ کور فوج کے سلسلۂ رسل و رسائل کی نگرانی کرتی ہے اور اس کے لئے پیغامبروں، ٹیلی فون اور وائرلیس سے کام کرتی ہے۔

پیادہ فوج

پیادہ فوج کو میدانِ جنگ کی ملکہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔اس میں زیادہ تر جنگ کرنے والے جوان ہوتے ہیں۔ ہماری پاکستانی افواج کی کئی رجمنٹیں ہیں، قیامِ پاکستان کے بعد پُرانی پہلی پنجاب رجمنٹ، آٹھویں پنجاب رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ، فرنٹیئر فورس رجمنٹ، فرنٹیئر فورس رائفلز، چودھویں، پندرھویں اور سولہویں پنجاب رجمنٹوں کو پاکستان منتقل کردیا گیا تھا۔اب کفایت شعاری اور کارکردگی کے پیشِ نظر ان رجمنٹوں کو تین گروپوں میں ازسرِنو منتظم کیا گیا ہے اور ان کا نام پنجاب رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ اور فرنٹیئر فورس رجمنٹ رکھا گیا ہے۔آزادی کے بعد مشرقی پاکستان میں بنگال رجمنٹ کے نام سے ایک نئی رجمنٹ بھی بنائی گئی۔ پیادہ فوج کی رجمنٹ ایک طرح کا خاندان ہوتی ہے، جس میں کئی بٹالین ہوتی ہیں۔ جو اس خاندان کا حصہ ہوتی ہیں۔ سولہویں پنجاب رجمنٹ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پنجاب رجمنٹ کی سولہویں بٹالین ہے، اسی طرح نویں، دسویں، بلوچ رجمنٹ اور دسویں فرنٹیئر فورس کا مطلب بلوچ رجمنٹ کی نویں اور دسویں اور فرنٹیئر فورس کی دسویں بٹالین ہے۔

آرمی سروس کور (A.S.C)

اے ایس سی:- یہ کور فوج کے لئے خوراک، ایندھن، پٹرول تیل وغیرہ کی بہم رسانی کی ذمہ دار ہے، عام نقل وحمل اور ایمبولینس سروس بھی اسی کور کے فرائض میں داخل ہے۔

آرمی آرڈی نینس کور (A.O.C)

یہ فوج کے لئے اسلحہ بارود، گاڑیاں، کپڑے اور دیگر اشیاء فراہم کرتی ہے، اوران کی بہم رسانی کا انتظام کرتی ہے جو آرمی سروس کور نہیں کرسکتی۔

آرمی میڈیکل کور (A.M.C)، آرمی ڈینٹل کور (A.D.C)

یہ فوج کے جوانوں کو طبّی امداد دیتی ہیں، ان کی صحت کا خیال رکھتی ہیں اور

ان کے دانتوں کی صحت اور حفاظت کی ذمہ دار ہیں۔

الیکٹریکل و میکینکل کور (E.M.E)

اس کور کے ذمے یہ فرض ہے کہ فوج کے مشینی اور برقی آلات کی حفاظت اور مرمت کرے۔

آرمی ایجوکیشنل کور (A.E.C)

یہ سپاہیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتی ہے اور ان کا تعلیمی امتحان لیتی ہے۔

ملٹری پولیس کور (C.M.P)

C.M.P یہ پولیس کے فرائض انجام دیتی ہے، ٹریفک کا اِنتظام کرتی ہے، اہم شخصیتوں (V.I.P) کے لئے حفاظتی دستے کے طور پر کام کرتی ہے۔

آرمی کلرکس کور (A.C.C)

مختلف فوجی رجمنٹوں میں کلرکوں کے فرائض ادا کرتی ہے۔

ریماؤنٹ، ویٹرنری اینڈ فارمز کور (R.V.E.P.C)

یہ فوج کام کرنے والے جانوروں کی صحت کی ذمہ داری ہے، اور فوجی فارموں اور ڈیری فارموں کا اِنتظام کرتی ہے۔

تنظیم

فوج جنرل ہیڈکوارٹرز (GHQ) کے ماتحت ہوتی ہے اور اسی کی ہدایات کے مطابق عمل کرتی ہے۔ فوج کی کمان اور نظم وضبط کمانڈر اِن چیف کے ماتحت ہوتا ہے، جس کی مدد اس کا پرنسپل اسٹاف (PS) کرتا ہے۔ اس اسٹاف میں چیف آف دی جنرل اسٹاف (CGS)، اجوٹنٹ جنرل (A.G)، کوارٹر ماسٹر جنرل (Q.M.G) اور ماسٹر جنرل آف آرڈیننس (M.G.O) شامل ہوتے ہیں۔ پرنسپل اسٹاف کے افسران انتظامی معاملات میں کمانڈر اِن چیف کی مدد کرتے ہیں اور اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جنرل ہیڈکوارٹرز میں چند اور برانچیں بھی ہیں جن کے سربراہ افسروں کو پرنسپل اسٹاف افسران

نہیں کہا جاتا۔ ان برانچوں کے نام یہ ہیں:۔
۱۔ ملٹری سیکریٹری برانچ، ۲۔ جج ایڈووکیٹ جنرل برانچ، ۳۔ انجینئر اِن چیف برانچ، ۴۔ ڈائریکٹر میڈیکل سروسز برانچ۔
مختلف پرنسپل اسٹاف افسروں اور دُوسری برانچوں کے سربراہوں کے فرائض کا مختصر خاکہ یہ ہے:۔

چیف آف جنرل اسٹاف (C.G.S)

فوجی پالیسی کے تمام مسائل کے لئے چیف آف جنرل اسٹاف ہی ذمہ دار ہوتا ہے، وہ دِفاعی بجٹ کے اِخراجات کی نگرانی کرتا ہے، ملک کے دفاع کے لئے پاکستانی افواج کی یونٹوں کی تنظیم اور تقسیم کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جنگ اور خبر رسانی کے انتظام کے متعلق مشورے دیتا ہے اور جنگ کے لئے افواج کی تربیت کا انتظام کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل افسران چیف آف جنرل اسٹاف کے کام میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور مدد کرتے ہیں:۔
۱۔ ڈائریکٹر آف اسٹاف ڈیوٹیز، ۲۔ڈائریکٹر آف ملٹری آپریشنز، ۳۔ڈائریکٹر آف ملٹری انٹیلی جنیس، ۴۔ڈائریکٹر آف ویپنز اینڈ ایکوپمنٹ، ۵۔ڈائریکٹر آف آرمڈ کور، ۶۔ڈائریکٹر آف آرٹلری، ۷۔ڈائریکٹر آف سگنلز، ۸۔ڈائریکٹر آف انفنٹری، ۹۔ڈائریکٹر آف آرمی ایجوکیشن، ۱۰۔ڈائریکٹر آف آرگنائزیشن اینڈ میتھڈ، ۱۱۔انچارج ہسٹاریکل سیکشن، ۱۲۔ڈائریکٹر شماریات، ۱۳۔ڈائریکٹر آف ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ۔

اجوٹنٹ جنرل (AG)

فوجیں تیار کرنا، بھرتی کرنا، ان کو منظم کرنا اور محفوظ افواج (ریزرو) تیار رکھنا، اجوٹنٹ جنرل کے فرائض میں شامل ہے۔ وہ فوجیوں کی رُخصت، ترقیوں، نظم و ضبط، تنخواہ الاؤنس اور عام فلاح و بہبود کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے، اسی کے ذمے جنگی قیدیوں کی نگرانی اور پاکستانی افواج کے سپاہیوں کی صحتِ عامہ کی نگرانی بھی ہے۔ اس

معاملے میں ڈائریکٹر میڈیکل سروسز اس کے مشیر کے طور پر کام کرتا ہے۔

اجوٹنٹ جنرل کی مدد مندرجہ ذیل ڈائریکٹران کرتے ہیں:-

۱- ڈائریکٹر آف پرسنل ایڈمنسٹریشن، ۲-ڈائریکٹر آف پرسنل سروسز، ۳-ڈائریکٹر آف میڈیکل سروسز (آرمی)، ۴-ڈائریکٹر آف ویلفیئر اینڈ ری ہیبلی ٹیشن، ۵-ڈائریکٹر آف سویلین پرسونل۔

کوارٹر ماسٹر جنرل (QMG)

کوارٹر ماسٹر جنرل اشیائے خوردنی، چارے اور ایندھن کے ذخیرے اور اس کی بہم رسانی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ان اجناس کا محفوظ ذخیرہ بھی موجود ہے، وہ فوجیوں کی نقل و حرکت، ان کے قیام اور حیوانات کے شفاخانوں اور فارموں کا بھی انتظام کرتا ہے، اس کے فرائض کی بجا آوری میں مندرجہ ذیل تین ڈائریکٹران اس کے معاون کے طور پر کام کرتے ہیں:-

۱- ڈائریکٹر آف موومنٹ اینڈ کوارٹرنگ، ۲-ڈائریکٹر آف سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ، ۳-ڈائریکٹر آف ریماؤنٹ و ٹیزیری اینڈ فارمز۔

ماسٹر جنرل آف آرڈیننس (MGO)

اس کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اسلحہ خانوں اور ڈپوؤں کا انتظام اور نگرانی کرے، اور ان تمام گاڑیوں اور تکنیکی ذخیروں کی حفاظت اور مرمت کا بھی انتظام کرے۔ وہ ہر قسم کے ملبوسات اور آرڈیننس ذخیروں کے متعلق ریسرچ، تجرباتی ڈیزائینوں، نمونوں، تیار شدہ اشیاء کی نگرانی اور بہم رسانی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے، اور نئی ایجادات کا بندوبست بھی کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل تین ڈائریکٹران اس کے معاون ہوتے ہیں:-

۱-ڈائریکٹر آف آرڈیننس سروسز، ۲-ڈائریکٹر آف الیکٹریکل اینڈ میکینکل انجینئرنگ، ۳-ڈائریکٹر آف انسپکشن اینڈ ٹیکنیکل ڈیویلپمنٹ۔

ملٹری سیکریٹری (MS)

اس کے ذمے تمام افسروں کی ملازمت کی منصوبہ بندی، تعیناتی، ترقی، تبادلے اور انہیں سبکدوش کرنے کا کام ہوتا ہے، وہ افسروں کی ایک آرمی ریزرو بھی قائم رکھتا ہے۔

انجینئر اِن چیف (E-IN-C)

انجینئر اِن چیف انجینئری سے متعلقہ اُمور کے لئے کمانڈر اِن چیف کا فنی مشیر ہوتا ہے، ان اُمور میں بری افواج، فضائیہ اور بحریہ کے لئے حفاظتی اور دفاعی مورچوں، فوجی سڑکوں اور عمارات کے ڈیزائینوں کی تیاری، تعمیر اور حفاظت اور انجینئرنگ اسٹوروں کی بہم رسانی شامل ہے، انجینئروں کی کور، انجینئر ٹروپ اور ملٹری انجینئرنگ سروس بھی اسی کے ماتحت ہوتی ہے۔

جج ایڈووکیٹ جنرل (JAG)

جج ایڈووکیٹ جنرل فوجی قانون، مارشل لاء، بین الاقوامی قانون کے مسائل پر کمانڈر اِن چیف کا مشیر ہوتا ہے۔ وہ سرسری کورٹ مارشل، انضباطی تعزیرات اپیلوں اور عذرداریوں وغیرہ کی نظرِ ثانی کے سوا کورٹ مارشل کی کارروائیوں کی نظرِ ثانی کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ براہِ راست کمانڈر اِن چیف کے ماتحت ہوتا ہے۔

مقامی انتظام

فوج کا مقامی انتظام سب ایریا ہیڈکوارٹرز اور اسٹیشن ہیڈکوارٹرز کے ذمے ہوتا ہے، یہ ہیڈکوارٹرز اپنے علاقے میں فوجوں کی نقل وحرکت، قیام، تربیت، نظم و ضبط، اور خوراک کی بہم رسانی کے انتظامی پہلو کی نگرانی کرتے ہیں۔

میدانِ جنگ

میدانِ جنگ میں فوج کو کوروں، ڈویژنوں اور بریگیڈوں میں منظم کیا جاتا ہے، اور عموماً اس کی کمان ایک جرنیل کرتا ہے، اس میں عام طور پر دو یا تین کوریں ہوتی ہیں۔

ایک کور میں دو پیادہ ڈویژن اور ایک بکتر بند ڈویژن یا تین پیادہ ڈویژن ہوتے ہیں اور ایک کور کا ہیڈ کوارٹر ہوتا ہے، اور اس کی کمان ایک لیفٹیننٹ جنرل کرتا ہے، ایک کور ایک منٹ کے نوٹس پر میدانِ جنگ میں پہنچائی جاسکتی ہے۔

ڈویژن عام طور پر پیادہ فوج کے منظم یونٹوں کی بنیادی طاقت کے طور پر کام کرتی ہیں۔ یہ پیادہ فوج کی بکتر بند گاڑیوں، توپ خانوں، انجینئروں، سگنلز اور رسدرسانی اور دیگر عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں اور دُشمن پر ضربِ کاری لگانے کے ہر طرح اہل ہوتے ہیں۔

پیادہ فوج کے ایک ڈویژن میں تین بریگیڈ ہوتے ہیں، اور ایک بریگیڈ میں تین بٹالین فوج ہوتی ہے، بٹالین کو کمپنیوں، پلاٹونوں اور سیکشنوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک بٹالین میں مختلف عناصر ہوتے ہیں جنھیں مقابلہ کرنے، خبر رسانی کرنے، مارٹر اور توپیں داغنے کے خاص فرائض سرانجام دینے کی تربیت دے کر منظم کیا جاتا ہے۔

بکتر بند ڈویژن کی ترتیب مختلف ہوتی ہے، اور یہ مختلف اقسام کے ٹینکوں کی کئی رجمنٹوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے کام کی نوعیت خاص قسم کی ہوتی ہے، ٹینکوں کے علاوہ بکتر بند ڈویژنوں کی امداد کے لئے بہترین توپ خانہ، پیادہ فوج اور دیگر اِمدادی یونٹ بھی موجود ہوتے ہیں۔

سپاہی اور اسلحہ

ڈویژن ایک میجر جنرل کی کمان میں ہوتا ہے، پیادہ فوج کے ڈویژن میں سپاہیوں کی تعداد ۱۵۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ تک ہوتی ہے۔ بکتر بند ڈویژن ۱۰۰۰۰ سے ۱۲۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بریگیڈ ایک بریگیڈیئر کے ماتحت ہوتا ہے، اس میں ۵۰۰۰ سے ۶۰۰۰ سپاہی ہوتے ہیں۔ بٹالین میں سپاہیوں کی تعداد تخمیناً آٹھ سو ہوتی ہے، اور اس کی کمان ایک لیفٹیننٹ کرنل کرتا ہے، کمپنی میں ۱۵۰ سپاہی ہوتے ہیں اور یہ کسی میجر یا کپتان کے ماتحت ہوتی ہے۔ ایک پلاٹون کی کمان کوئی جونیئر کمیشنڈ افسر کرتا ہے، اس میں تقریباً ۳۶ سپاہی اور ایک سیکشن شامل ہوتا ہے، پیادہ فوج کی قلیل ترین یونٹ کی

کمان کسی نان کمیشنڈ افسر کے پاس ہوتی ہے اور اس میں دس سپاہی ہوتے ہیں۔

بکتر بند اور توپ خانے کے یونٹوں میں پیادہ فوج کی بٹالین کے مساوی ٹینکوں یا توپ خانے کی ایک رجمنٹ ہوتی ہے جس میں ۵۰۰ سپاہی ہوتے ہیں۔ ٹینکوں کی ایک رجمنٹ میں کئی اسکویڈرن اور ٹروپ ہوتے ہیں، ایک اسکویڈرن میں اندازاً چودہ ٹینک ہوتے ہیں اور ایک ٹروپ میں اندازاً چار ٹینک، توپ خانے کی ایک رجمنٹ میں یہ ڈویژن بیٹریوں میں منقسم ہو جاتا ہے جس میں چھ توپیں ہوتی ہیں۔

پیادہ فوج کی بٹالین رائفلوں، اسٹین گنوں، ہلکی مشین گنوں، درمیانی مشین گنوں، دیگر اسلحہ مثلاً مارٹروں اور ۱۰۶ بے دھکے کی رائفلوں سے مسلح ہوتی ہے۔

بکتر بند اور توپ خانے میں مختلف نوعیتوں کے آلات ہوتے ہیں جو کاری ضربیں لگانے کی بے پناہ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ توپ خانے، بکتر بند اور پیادہ یونٹوں کے لئے مددگار کا کام کرتا ہے، ٹینکوں کو یا تو پیادہ فوج کی مدد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یا حملہ کرنے کے لئے۔

فضائیہ

پاکستان ایئر فورس (P.A.F) فضائی ہیڈکوارٹرز کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ فضائیہ کی مکمل کمان کمانڈر ان چیف کے ہاتھ میں ہوتی ہے جسے چیف آف ایئر اسٹاف کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے معاونین پرنسپل اسٹاف افسران کہلاتے ہیں، مثلاً ڈپٹی چیف آف ایئر اسٹاف (DCAS) (آپریشن) اسسٹنٹ چیف آف ایئر اسٹاف (مینٹی نینس) پرنسپل اسٹاف افسران انتظامی معاملات میں کمانڈر ان چیف کی مدد کرتے ہیں۔ فضائی ہیڈکوارٹرز میں اور برانچیں بھی ہیں جنھیں پرنسپل اسٹاف افسران شمار نہیں کیا جاتا، وہ یہ ہیں:-

۱- ایئر سیکریٹری برانچ، ۲- چیف انسپکٹر، ۳- جج ایڈووکیٹ جنرل۔

مختلف پرنسپل اسٹاف افسروں اور دوسری برانچوں کے سربراہوں کے فرائض کا خاکہ یہ ہے:-

ڈپٹی چیف آف ایئر اسٹاف (DCAS)

یہ فضائیہ کی تشکیل میں کمانڈر ان چیف کی مدد کرتا ہے اور فضائیہ کے منصوبوں کی ترقی اور نظرِ ثانی، فضائیہ کے محکمہ خبررسانی، فضائیہ کے سازوسامان کا تحفظ اور کام کے معیار کی نگرانی کرتا ہے، اور جہاں ضرورت ہو فضائیہ کے ہیڈکوارٹرز اور اس کی برانچوں کے درمیان رابطہ قائم رکھتا ہے، مندرجہ ذیل ڈائریکٹر اس کے معاون ہوتے ہیں:-

۱- ڈائریکٹر آف پلانز، ۲- ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس، ۳- ڈائریکٹر آف ورک سٹڈیز، ۴- پرووسٹ مارشل۔

اسسٹنٹ چیف آف ایئر اسٹاف (آپریشن ACAS)

یہ افسر فضائیہ کے نقل و حرکت اور لڑاکے یونٹوں کی تیاری کے متعلق پالیسی وضع کرتا ہے، فضائی حملوں اور فوجی ٹھکانوں پر نشانہ لگانے کے منصوبے تیار کرتا ہے اور اس سلسلے میں انتظامی رابطہ قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ قومی تحفظ کے لئے پاکستانی فضائیہ کے مواصلات کے سلسلے میں حفاظتی پالیسی وضع کرتا ہے اور موثر حفاظتی پروازوں کا پروگرام بناتا ہے۔

اس کام میں مندرجہ ذیل افسران اس کے معاونین ہوتے ہیں:-

۱- ڈائریکٹر آف آپریشنز، ۲- ڈائریکٹر آف فلائٹ سیفٹی، ۳- ڈائریکٹر آف ایئر ٹرانسپورٹ، ۴- ڈائریکٹر آف سگنلز۔

اسسٹنٹ چیف آف ایئر اسٹاف (ٹریننگ ACAS)

اس کے ذمے فضائیہ کی تعلیم و تربیت کی پالیسی اور اس کی نگرانی اور ہدایت کا کام ہوتا ہے، اس کے معاون تین ہوتے ہیں:-

۱- ڈائریکٹر آف فلائینگ ٹریننگ، ۲- ڈائریکٹر آف ٹیکنیکل ٹریننگ، ۳- ڈائریکٹر آف ایجوکیشن۔

اسسٹنٹ چیف آف ایئر اسٹاف (انتظامیہ ACAS)

یہ متفرق اُمور کے متعلق پالیسی وضع کرنے اور نظم ونسق قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ اُمور یہ ہیں: ۱-ہوابازوں اور غیر فوجیوں کا نظم ونسق، ۲-عام تنظیم، ۳-بھرتی، ۴-قواعد سازی اور بجٹ سازی اور ۵-عملے کی ضروریات جو صحت، تنخواہ، پنشن وغیرہ سے متعلق ہوں۔

مندرجہ ذیل ڈائریکٹران اس کے ماتحت کام کرتے ہیں:-

۱-ڈائریکٹر آف پرسنل، ۲-ڈائریکٹر آف بجٹ، ۳-ڈائریکٹر آف اسٹیبلشمنٹ، ۴-ڈائریکٹر آف ورکس، ۵-ڈائریکٹر آف میڈیکل سروسز، ۶-چیف انجینئر۔

اسسٹنٹ چیف آف ایئر اسٹاف (مینٹی ننس ACAS)

یہ افسر منصوبہ بندیوں، اسلحہ، فنی ملازمین، فضائی انجینئری، بری انجینئری اور واٹر سپلائی کے متعلق پالیسی وضع کرتا ہے اور اس کے متعلق نظم ونسق بحال رکھتا ہے۔

مندرجہ افسران اس کے معاون ہوتے ہیں:-

۱-ڈائریکٹر آف پروجیکٹس، ۲-ڈائریکٹر آف ویپنز، ۳-ڈائریکٹر آف ٹیکنیکل سروسز، ۴-ڈائریکٹر آف ایئر کرافٹ انجینئرنگ، ۵-ڈائریکٹر آف گراؤنڈ انجینئرنگ، ۶-ڈائریکٹر آف سپلائی۔

ایئر سیکریٹری

یہ افسروں کو کمیشن دینے، ان کی ترقی، تعیناتی اور پنشن کے متعلق پالیسی وضع کرنے کا ذمہ دار ہے، اس کے پاس فضائیہ کے تمام افسروں کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے، اور یہ ان کی ملازمت کی شرائط طے کرتا ہے، یہ فضائیہ کے افسروں کو انعامات و اعزازات دینے کے لئے حکومت سے سفارش کرتا ہے۔

چیف انسپکٹر

یہ پاکستانی فضائیہ کے یونٹوں کے معائنوں کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور اس

کے ذمے فضائیہ کے حادثات کی تحقیقات کرنے والے بورڈ کی نگرانی بھی ہوتی ہے۔

جج ایڈووکیٹ جنرل (J.A.G)

اس کے ذمے فضائیہ کے قانون کی وضاحت، نئے قوانین بنانے، ان عذرداریوں کے متعلق مشورے دینے کا کام ہوتا ہے جو کورٹ مارشل کی کارروائی کے خلاف کی جائیں۔

ڈھانچہ

فضائیہ کا ہیڈکوارٹر تمام اسٹیشنوں اور خودمختار یونٹوں کی مکمل نگرانی کرتا ہے، اسٹیشن یا اڈہ فلائنگ ونگ، ٹیکنیکل ونگ وغیرہ یونٹوں پر مشتمل ہوتا ہے، ایک ونگ میں کئی اسکویڈرن ہوتے ہیں، ہر اسکویڈرن میں فلائیٹ ہوتے ہیں، عام طور پر اسکویڈرن کو بنیادی فضائی یونٹ سمجھا جاتا ہے۔ اسکویڈرن پرواز کرنے والا یا پرواز نہ کرنے والا دونوں طرح کا ہوسکتا ہے۔ پرواز کرنے والے اسکویڈرن میں دو یا دو سے زیادہ فلائیٹ ہوتے ہیں اور انتظامیہ اور تکنیکی حصے ہیں اور اس میں چھ یا چھ سے زیادہ طیارے ہوتے ہیں۔

پاکستانی فضائیہ کے طیاروں میں لڑاکا طیارے، بمبار طیارے، باربردار طیارے اور اِمدادی طیارے ہوتے ہیں۔ فضائیہ میں لڑاکے طیاروں کی دو بڑی قسمیں موجود ہیں، جن کے نام ایف ۸۶ اور ایف ۱۰۴ ہیں، ایف ۸۶ ایسے لڑاکا بمبار طیارے ہیں جنھیں دُنیا کی بہت سی فضائی افواج میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایف ۱۰۴ طیاروں کا شمار دُنیا کے بہترین طیاروں میں ہوتا ہے، یہ آواز کی رفتار سے دُوگنی سے بھی زیادہ رفتار پر ۸۰۰۰۰ فٹ کی بلندی سے بھی اُوپر پرواز کرسکتے ہیں۔

بمبار طیارے کا مطلب ایسا طیارہ ہے جو زمین اور سمندر میں اہم ٹھکانوں پر جارحانہ بمباری کرے۔ پاکستانی فضائیہ کے بمبار طیاروں کا نمبر بی ۵۷ ہے، اور یہ ایسے جیٹ بمبار طیارے ہیں جو وزنی بموں کو دُور دراز ٹھکانوں پر بھی پھینک سکتے ہیں۔ باربردار طیاروں کے اسکویڈرن میں پاکستانی فضائیہ کے پاس دیکھ بھال کرنے والے

طیارے ہیں، جن کا نام آر ٹی ۳۲ ہے۔ تربیتی طیاروں کا نام ٹی ۳۳ اور ٹی ۳۷ ہے، ایسے اے ۱۶ نام کے طیارے خشکی پر اور پانی میں اُتر سکتے ہیں، ان کے علاوہ ہیلی کاپٹر ہیں جن سے امدادی کام لیا جاتا ہے۔

(بشکریہ سیارہ ڈائجسٹ نومبر ۱۹۶۵ء)

آسٹریلیا میں خرگوش

جان ولیم کلاتس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جب آسٹریلیا کا براعظم نیا نیا دریافت ہوا اور یورپ کے بہت سے لوگ وہاں جاجا کر آباد ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ اس براعظم میں خرگوش بالکل نہیں ہیں، یہ لوگ یورپ میں خرگوش کے شکار کے عادی تھے، اور انہیں شکار میں جو لطف آتا تھا آسٹریلیا میں اس کی یاد ستانے لگی۔ انہیں لوگوں میں سے ایک شخص تھامس آسٹن تھا، اس نے ۱۸۵۹ء میں آسٹریلیا کی فضا خوشگوار بنانے کی کوشش کی اور یورپ سے خرگوش کے تقریباً بارہ جوڑے منگوا کر وہاں چھوڑ دیئے۔

لیکن قدرت کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟ ہوا یہ کہ یورپ میں تو خرگوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں جو ان کی طبعی دُشمن ہیں، اس کی وجہ سے وہاں خرگوش کی نسل میں اعتدال و توازن برقرار رہتا ہے، مگر آسٹریلیا اس کے ان طبعی دُشمنوں سے خالی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بارہ جوڑوں سے خرگوش کی نسل بڑھنی شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا نہ رہی، دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسٹریلیا خرگوشوں سے بھر گیا، اور یہ بے مہار مخلوق کھیتوں میں گھستی تو کھیت ویران کر دیتی، چراگاہوں میں پہنچتی تو چراگاہیں اُجاڑ دیتی، غرض وہ جانور جسے آسٹریلیا کی طبعی فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے باقاعدہ درآمد کیا گیا تھا، سارے براعظم کے لئے عذابِ جان بن گیا۔ اب اس مشکل پر قابو پانے کی کوششیں شروع کی گئیں کہ خرگوش آبادیوں میں نہ پہنچ سکیں، لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور خرگوش ان فصیلوں کو پھاند پھاند کر اندر آنے لگے۔ پھر ایک زہریلی غذا کو کام میں لاکر یہ روز افزوں نسل گھٹانے کی کوشش کی گئی مگر اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

آخرکار کئی سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس مشکل کا حل دریافت ہوا،

ایک دوا ایجاد کی گئی جو خرگوش کو حرض مخاطی کے مہلک مرض میں مبتلا کردیتی تھی، اس وباء کے پھیلنے سے خرگوش کی نسل میں کمی واقع ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے خشک صحرا اور بنجر پہاڑ جو دسیوں سال قحط زدہ رہے، اب سرسبز و زرخیز خطوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بکریوں کی صنعت سے آمدنی بہت بڑھ گئی، ۵۳-۱۹۵۲ء کے دوران اس صنعت کی آمدنی میں جو اِضافہ ہوا اس کا اندازہ ۸۴ ملین پونڈ ہے۔ (اللہ یتجلی فی عصر العلم، ترجمہ عربی The Evidence of God The Expanding Universe مرتبہ: جان کلاور مونسما، ومترجمۂ: عبدالمجید سرحان، مؤسسة فرانکلین، قاهرة نیویارک ص:۵۱، ۱۹۶۱ء)

اس آئینے میں سبھی عکس ہیں تیرے

مذکورہ مضمون نگار نے ہی لکھا ہے کہ پھول کی ایک خاص قسم ہے جس کا نام ہے "Jack in the Pulpoint" اس پودے میں پھولوں کے گچھے دو طرح کے ہوتے ہیں، نر اور مادہ، اس پودے میں چھوٹے چھوٹے پیالوں کی طرح کچھ نباتاتی حلقے ہوتے ہیں اور انہی حلقوں کے اندر پھول نشوونما پا کر باہر آتے ہیں، دُوسرے پودوں کی طرح ان میں بھی پھولوں کی نشوونما نر اور مادہ کے ملاپ سے ہوتی ہے، لیکن ان پودوں میں ملاپ کا عجیب و غریب طریقہ مقرر ہے۔ نر اور مادہ یہاں براہِ راست نہیں ملتے بلکہ یہ ملاپ بہت چھوٹی مکھی کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ پودے کے نباتاتی حلقے اُوپر سے کشادہ ہوتے ہیں لیکن اندر جاکر تنگ ہوجاتے ہیں، وہ چھوٹی سی مکھی نر پودے کے ان حلقوں کے اندر گھسنا چاہتی ہے، لیکن بیچ میں پہنچ کر بُری طرح پھنس جاتی ہے، ایک تو آگے راستہ تنگ ہوتا ہے، دُوسرے جونہی مکھی کسی نر پودے کے حلقے میں داخل ہوتے ہیں، اس حلقے کے بالائی حصے سے موم کی طرح کا ایک مادّہ اندر کی طرف پھسلنا شروع ہوجاتا ہے، جس سے حلقے کی دیواریں ڈھک جاتی ہیں، اب اس مکھی کو نہ آگے جانے کا راستہ ملتا ہے، نہ پیچھے ہٹنے کا، اس لئے وہ اپنی جگہ ایک جنونی کیفیت میں چکر کاٹتی ہے، اس جنونی گردش کے سبب پودے کے تناسلی ذرّات اس مکھی کے جسم سے چمٹ جاتے ہیں، اور جونہی یہ کام مکمل ہوتا ہے تو حلقے کے بالائی حصے سے

موئی مادّے کا خروج خود بخود بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اُوپر کا حصہ تھوڑا سخت ہونے لگتا ہے اور مکھی ذرا سا زور لگا کر باہر نکل آتی ہے۔

اس کے بعد یہی مکھی کسی مادہ پودے کے حلقے میں اسی طرح داخل ہوتی ہے، لیکن مادہ پودے کے حلقوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مکھی کو گھسنے کے بعد نکلنے نہیں دیتے، مکھی اندر پہنچ کر ہمیشہ کے لئے مقید ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، مرنے سے ذرا دیر پہلے وہ باہر نکلنے کی جو آخری کوشش کرتی ہے، اس میں وہ نر پودے کے تناسلی ذرّات مادہ پودے میں منتقل کر دیتی ہے، اور تناسل کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ عجیب و غریب معاملہ ہے کہ نر پودے کا حلقہ پہلے مکھی کو داخل ہونے کا موقع دیتا ہے، پھر اسے پھانس دیتا ہے، اور اس کے بعد نکلنے کا موقع فراہم کرتا ہے، اس کے برعکس مادہ پودا ایک بار پھانسنے کے بعد نکلنے کا موقع نہیں دیتا، فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

مضمون نگار یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''کیا یہ سارے شواہد اللہ کے وجود پر دلالت نہیں کرتے؟ ہماری عقلوں کے لئے یہ تصوّر کرنا اِنتہائی دُشوار ہے کہ یہ عجیب و غریب انتظام محض اتفاقات کا کرشمہ ہے، یہ ماننا ناگزیر ہے کہ یہ سب کچھ ایک مستحکم تدبیر اور مکمل قدرت کا نتیجہ ہے۔''

(اللہ یتجلی فی عصر العلم ص:۵۱)

عبداللہ بن مبارکؒ کا اِنقلابِ زندگی

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا نام آج پوری دُنیائے اسلام میں انتہائی عقیدت و اِحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ حدیث، فقہ اور تصوّف تینوں میں آپ کو اِمامت کا منصب حاصل ہے۔ لیکن یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت ابنِ مبارکؒ ہمیشہ سے ایسے نہ تھے، جوانی کی ابتدا میں آپ نہایت آزاد منش نوجوان تھے۔ شراب نوشی کے عادی، گانے بجانے کے شوقین، لہو ولعب کے خوگر، اللہ نے دُنیاوی مال و اسباب بھی

بہت کچھ دیا تھا۔ ایک مرتبہ سیب پکنے کا موسم آیا تو اپنے سیبوں کے باغ میں دوستوں کی ایک محفل منعقد کی، بہترین کھانا پکایا گیا، کھانے کے بعد شراب کا دور چلا اور سرود و طرب کی مجلس جمی، جام پر جام لنڈھائے گئے، عبداللہ بن مبارک نے شراب اتنی زیادہ پی لی کہ نشے کی شدت سے بے ہوش ہوگئے۔ رات بھر بے ہوش پڑے رہے، صبح کے وقت ہوش آیا تو قریب چنگ پڑا ہوا تھا اسے ہاتھ میں لے کر بجانا چاہا تو اس سے آواز نہ نکلی، مگر اس فن میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، اس کے تاروں کو ٹھیک کیا اور پھر بجانا چاہا لیکن اس مرتبہ بھی کوئی آواز نہ آئی، اسی حیرانی میں تھے کہ چنگ سے آواز آئی: "اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ" "کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دِل اللہ کی یاد کے لئے نرم ہوں؟"

یہ قرآنی آیت سننا تھا کہ دِل پر چوٹ لگ گئی، فوراً چنگ توڑ دیا، شراب بہادی، جسم پر جو ریشمی کپڑے تھے انہیں پھاڑ ڈالا اور اسی وقت توبہ کرکے طلبِ علمِ دین اور عبادتِ اِلٰہی میں مشغول ہوگئے۔ یہ واقعہ ابوعبداللہ بن حماد نے تاریخ مختصر المدارک میں اسی طرح بیان کیا ہے، مگر طبقاتِ کفوی میں دُوسری طرح مذکور ہے۔ وہ باغ اور شراب نوشی کا قصہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابنِ مبارکؒ نے یہ خواب دیکھا کہ ایک جانور کسی قریبی درخت پر اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے، اسے سن کر یہ اِنقلاب آیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ ان دونوں روایتوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ممکن ہے حق تعالیٰ نے اوّل خواب میں کسی پرندے کی آواز سے ان کو باخبر کیا ہو، اور پھر بیداری میں چنگ کے ذریعے سے اس کی تاکید کی گئی ہو۔"

(بستان المحدثین ص:۹۷، اصح المطابع کراچی)

آگے کے دو تراشے برادرِ مکرّم جناب مولانا عبدالقادر صاحب اُستاذ دارالعلوم کراچی نے مرحمت فرمائے ہیں، ان کے شکریے کے ساتھ درج ذیل ہیں:-

صحابہؓ اور اِطاعتِ رسول

حافظ ابوالقاسم طبرانیؒ نے اپنی سند سے حضرت جریر بن عبداللہ صحابیؓ کا ایک

بصیرت افروز قصہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جریرؓ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا۔ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقم دِلوانے کے لئے ساتھ لے آیا، حضرت جریرؓ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کردیا گیا۔ آپ نے اندازہ کیا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زائد ہے، چنانچہ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ: ''آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے، کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے؟'' اس نے جواب دیا: ''جیسے آپ کی مرضی!'' پھر فرمایا: ''آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زائد ہے، کیا آپ پانچ سو میں بیچیں گے؟'' اس نے کہا کہ: ''میں راضی ہوں!'' اسی طرح حضرت جریرؓ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کی زیادتی کرتے چلے گئے، بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے حوالے کردی۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا، آپ نے اسے آٹھ سو درہم دے کر اپنا نقصان کیوں مول لیا؟ آپ نے جواب دیا کہ گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا، میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدے کا ایفاء کیا ہے۔ (نووی شرح مسلم ج:۱ص:۵۵)

خوفِ خدا

حضرت ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں، انہوں نے ساری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مجھے آخرت میں اپنا مقام معلوم نہ ہوجائے میں ہرگز نہیں ہنسوں گا۔ چنانچہ ساری زندگی نہیں ہنسے۔ وفات کے وقت ان کو ہنستے ہوئے دیکھا گیا۔ اسی طرح ان کے بھائی ربیع بن حراشؒ نے بھی قسم کھائی کہ جب تک مجھے معلوم نہ ہوجائے میں جنتی ہوں یا دوزخی اس وقت تک نہیں ہنسوں گا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کو غسل دینے والے کا بیان ہے کہ

جب تک ہم ان کو غسل دیتے رہے وہ برابر ہنستے رہے۔ ان دونوں حضرات کے بھائی مسعود ہیں جنھوں نے اپنی وفات کے بعد کلام کیا تھا، گویا سارا کنبہ نورٌ علیٰ نور تھا۔

عورتیں بھی مفتی تھیں

شیخ علاء الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تحفۃ الفقہاء لکھی ہے، اس کتاب کی شرح ان کے شاگردِ رشید امام ابوبکر ابن مسعود کاسانیؒ نے لکھی ہے، جس کا نام بدائع الصنائع ہے۔ بقول علامہ شامیؒ کے یہ کتاب فقہ میں بے نظیر ہے۔ جب شرح مکمل کر چکے تو اپنے اُستاذِ محترم کی خدمت میں پیش کی، وہ شرح کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، اور اپنی لختِ جگر مسماۃ فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا۔ یہ وہ خاتون ہیں کہ بادشاہوں نے ان کے نکاح کے لئے پیغام دیا تھا، لیکن شیخ نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان خاتون کو فقہ و اِفتاء میں اس قدر مہارت تھی کہ فتویٰ نویسی بھی کیا کرتی تھیں، چنانچہ لوگ جب دینی مسائل کے جوابات ان کے گھر سے لکھا کر لے جاتے تو بسا اوقات یہ ہوتا کہ جواب کا کچھ حصہ اس خاتون کا لکھا ہوا ہوتا تھا اور کچھ حصہ ان کے والد کا اور کچھ حصہ ان کے خاوند کا۔ (شامی ج:۱ ص:۱۰۰)

حضرت اُمِّ سُلیمؓ

ایک پاکباز صحابیہ

حضرت اُمِّ سلیمؓ ان خوش نصیب صحابیات میں سے ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی، ان کا اسمِ گرامی رُمیصاء تھا، اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے آپ کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اچانک میری نگاہ ابوطلحہ کی بیوی رُمیصاء پر پڑی۔'' عہدِ رسالت میں ان کے کئی واقعات ایسے ہیں جنھوں نے ان کو صحابی خواتین میں ایک منفرد مقام عطا کیا ہے۔ حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے یہ سب واقعات ''حلیۃ الاولیاء'' میں یکجا لکھ دیئے ہیں، وہیں سے ترجمہ و تشریح کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔

مُبلِّغہ

۱۔ ان کے نکاح کا واقعہ عجیب ہے، یہ اپنے نکاح سے پہلے اسلام لا چکی تھیں، حضرت ابوطلحہؓ جو بعد میں ان کے شوہر بنے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کفر ہی کی حالت میں انہیں شادی کا پیغام دیا، اس کے جواب میں اُمِّ سلیمؓ نے ان سے فرمایا: ''ابوطلحہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم نے ایک ایسی لکڑی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو زمین سے اُگی ہے، اور اسے فلاں قبیلے کے ایک حبشی شخص نے گھڑا ہے؟''

''ہاں جانتا ہوں!'' ابوطلحہؓ نے کہا۔

''کیا تمہیں ایسی لکڑی کو معبود قرار دیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ تم جیسے آدمی کا پیغام ردّ نہیں کیا جا سکتا، لیکن میں مسلمان ہو چکی ہوں اور تم ابھی کافر ہو، اگر تم اسلام لے آؤ تو مجھے اس کے سوا کوئی مہر نہیں چاہیے۔'' حضرت اُمِّ سلیمؓ نے جواب دیا۔

''لیکن تم تو اس مرتبے کی عورت ہو کہ یہ تمہارا مہر نہیں بن سکتا'' ابوطلحہؓ نے کہا۔

''پھر میرا مہر کیا ہو سکتا ہے؟'' حضرت اُمِّ سلیمؓ نے پوچھا۔

''سونا چاندی!'' ابوطلحہؓ نے جواب دیا۔

''لیکن مجھے نہ سونا چاہیے، نہ چاندی، میں تو تم سے بس اسلام چاہتی ہوں'' حضرت اُمِّ سلیمؓ نے فرمایا۔

یہ سن کر حضرت ابوطلحہؓ کے دِل میں اسلام گھر کر گیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، ابوطلحہؓ کو آتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:

''ابوطلحہ تمہارے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے درمیان اسلام کا نور چمک رہا ہے۔'' اس کے بعد ابوطلحہؓ اسلام لائے اور اُمِّ سلیمؓ ان کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔

مجاہدہ

۲- یہی اُمِّ سلیمؓ ہیں جن کے بارے میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

''غزوۂ اُحد کے موقع پر میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِّ سلیمؓ کو دیکھا، انہوں نے پائینچے چڑھائے ہوئے تھے، وہ اپنی پشت پر پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لاتیں، اور مجاہدوں کو پانی پلاتیں، جب مشکیزے خالی ہوجاتے تو پھر لوٹتیں اور تازہ پانی بھرلاتیں'' (اس وقت تک پردے کے اَحکام نازل نہیں ہوئے تھے)۔

اور غزوۂ حنین کے موقع پر حضرت ابوطلحہؓ نے اپنی اسی پاک باز بیوی کو دیکھا کہ ایک خنجر لئے کھڑی ہیں، ابوطلحہؓ نے پوچھا: ''اُمِّ سلیم! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''یہ خنجر ہے اور میں نے اس لئے تھام رکھا ہے کہ کسی مشرک نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو یہ اس کے پیٹ میں اُتار دُوں گی۔'' حضرت ابوطلحہؓ نے خوش ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مجاہدانہ عزم کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُمِّ سلیم! (اب تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہوگی) اللہ کافی ہوگیا ہے۔''

صبر و حکمت کی پیکر

۳- یہی اُمِّ سلیمؓ ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے صاحب زادے بیمار ہوگئے، حضرت ابوطلحہؓ انہیں بیمار چھوڑ کر کام پر چلے گئے، اسی دوران میں صاحب زادے کا انتقال ہوگیا۔ حضرت اُمِّ سلیمؓ نے ان پر کپڑا ڈالا، جس کوٹھری میں انتقال ہوا تھا، نعش اسی میں رہنے دی، اور آکر حضرت ابوطلحہؓ کے لئے کھانا تیار کرنے لگیں۔ حضرت ابوطلحہؓ روزے سے تھے اور اُمِّ سلیمؓ نے یہ پسند نہ کیا کہ اِفطار وغیرہ سے پہلے انہیں اس جانکاہ غم میں مبتلا کریں۔ حضرت ابوطلحہؓ شام کے وقت گھر آئے، بچے کا حال پوچھا اور اسے دیکھنے کے لئے کوٹھری میں جانے لگے، لیکن اُمِّ سلیمؓ نے کہا: ''وہ بہت اچھی حالت میں ہے، اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔'' حضرت ابوطلحہؓ لوٹ آئے اور مطمئن ہوکر اِفطار کرنے لگے۔ اُمِّ سلیمؓ نے اپنے شوہر کے استقبال کے لئے حسبِ معمول سنگھار بھی کیا اور گھر کی فضا پر حادثے کا معمولی اثر بھی نہ ہونے دیا، رات حسبِ معمول ہنستے کھیلتے

گزری، تہجد کے وقت اُمِّ سلیمؓ نے حضرت ابوطلحہؓ سے کہا:

''ابوطلحہ! فلاں قبیلے کے لوگ عجیب ہیں، انہوں نے اپنے پڑوسیوں سے کوئی چیز عاریۃً مانگی، پڑوسیوں نے دے دی، مگر یہ اسے اپنی سمجھ کر بیٹھ گئے، اب وہ اپنی چیز مانگتے ہیں تو یہ ان پر خفا ہوتے ہیں۔''

''انہوں نے بڑا بُرا کیا، یہ تو اِنصاف کے صریح خلاف ہے'' ابوطلحہؓ نے کہا۔

اس پر اُمِّ سلیمؓ بولیں: ''آپ کا بیٹا بھی اللہ نے عاریۃً آپ کو دِیا تھا، اور اَب اس نے اس کو واپس بلالیا ہے، وہی اس کا مالک تھا، ہمیں صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

ابوطلحہؓ یہ سن کر حیران رہ گئے، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اُمِّ سلیمؓ نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''یَا اَبَا طَلْحَۃَ! بَارَکَ اللّٰہُ لَکُمَا فِیْ لَیْلَتِکُمَا'' (ابوطلحہ! اللہ نے تمہاری گزشتہ رات میں تم پر بڑی برکتیں نازل کی ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہراتؓ کے سوا مدینہ طیبہ کے کسی گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے، صرف ایک اُمِّ سلیمؓ کے یہاں جایا کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ان پر رحم آتا ہے، ان کے بھائی میرے ساتھ قتل ہوئے تھے۔''

حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت وہیں محوِخواب ہوگئے، سوتے ہوئے آپ کے جسمِ اَطہر سے پسینہ بہت نکلا، اُمِّ سلیمؓ نے دیکھا تو ایک شیشی لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اس میں جمع کرنا شروع کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور پوچھا: ''اُمِّ سلیم! یہ کیا کررہی ہو؟'' حضرت اُمِّ سلیمؓ نے جواب دیا: ''یہ آپ کا پسینہ ہے، ہم اسے اپنی خوشبوؤں میں ملائیں گے، یہ ہر عطر سے زیادہ خوشبودار ہے۔''

(حلیۃ الاولیاء، لابی نعیم الاصفہانی ج:۲ ص:۵۷ تا ۶۱، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۸۷ھ)

تبلیغ میں حکمت اور شفقت کی رعایت

دِین کی تبلیغ یوں تو ہر جگہ حکمت اور دانش مندی چاہتی ہے، لیکن جو شخص شبہات کا مریض ہو، اس کا علاج بڑا نازک کام ہے، اس میں داعیٔ حق کے لئے انتہا درجے کا صبر و تحمل، مخاطب پر شفقت، حکمت و دانائی اور بات کو دِل میں اُتار دینے کی لگن کی ضرورت ہے۔ آج ایک حدیث نظر سے گزری جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبہات کے مریض کا علاج کس طرح فرماتے تھے؟

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے ایک عجیب وغریب فرمائش کی، کہنے لگا:

''یارسول اللہ! مجھے زِنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔''

تصوّر تو فرمائیے کہ یہ گھناؤنی فرمائش کس سے کی جارہی ہے؟ اُس ذاتِ اقدس سے کہ جس کے تقدس کے آگے فرشتے بھی ہیچ ہیں، اور فرمائش بھی کسی چھوٹے موٹے گناہ کی نہیں، زِنا کی! وہ گناہ جس کا نام ایک شریف انسان زبان پر لاتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید اس گستاخی کی سزا میں نوجوان کو دھکے دے کر باہر نکلوادیتا۔ چنانچہ حاضرینِ مجلس اس نوجوان پر برس پڑے اور اسے ڈانٹنا ڈپٹنا شروع کردیا۔ لیکن قربان جائیے اس رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھانپ لیا کہ یہ شخص ضد اور عناد کا نہیں، شبہات کا مریض ہے اور یہ غصہ اور نفرت کے بجائے شفقت کا اور ترس کھانے کا مستحق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ڈانٹنے سے روکا اور اس سے فرمایا: ''میرے قریب آجاؤ!'' جب وہ قریب آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''کیا تم اس عمل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟''

نوجوان بولا: ''نہیں! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، خدا کی قسم، نہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے اس کو

پسند نہیں کرتے۔'' پھر فرمایا: ''اچھا تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے اس عمل کو پسند کرتے ہو؟''

''نہیں یا رسول اللہ! مجھے اللہ آپ پر فدا کرے، خدا کی قسم! نہیں'' اس نے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔''

''اور کیا تم اپنی بہن کے لئے اس عمل کو پسند کرتے ہو؟''

''نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر نثار کرے، خدا کی قسم نہیں!'' نوجوان نے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے اس کو پسند نہیں کرتے۔''

''اور کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟''

''نہیں یا رسول اللہ! خدا مجھے آپ پر قربان کرے، خدا کی قسم نہیں!'' نوجوان بولا۔

''تو اور لوگ بھی اسے اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے، اور کیا تم اسے اپنی خالہ کے لئے پسند کرتے ہو؟''

''نہیں یا رسول اللہ! خدا مجھے آپ پر قربان کرے، واللہ نہیں!'' نوجوان بولا۔

''تو اور لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کے لئے پسند نہیں کرتے۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ شفقت نوجوان پر رکھا اور فرمایا: ''یا اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما، اس کے قلب کو پاکیزگی عطا فرما اور عفت عطا فرما۔''

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''اس واقعے کے بعد نوجوان اتنا پاک دامن ہوگیا کہ کسی طرف اِلتفات ہی نہیں کرتا تھا۔'' امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(رواہ احمدؒ والطبرانیؒ، مجمع الزوائد، باب فی ادب العالم، ج:۱ ص:۱۲۹، دار الکتاب، بیروت ۱۹۶۷ء)

حضرت علیؓ کا ایک عجیب فیصلہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تھا، وہاں کے لوگ شیر کا شکار کرنے کے لئے گڑھا کھودا کرتے تھے اور مختلف تدبیروں سے شیر کو اس گڑھے میں گرا کر اس کا شکار کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایسا ہی ایک گڑھا کھودا اور شیر کو اس میں گرالیا۔ آس پاس کے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے گڑھے کے اِردگرد جمع ہوگئے اور اتنی دھکا پیل ہوئی کہ ایک آدمی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گڑھے میں گرنے لگا، گرتے گرتے اس نے سنبھلنے کے لئے ایک پاس کھڑے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑا، اس سے دُوسرے آدمی کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھی گرنے لگا، اس نے سنبھلنے کے لئے ایک تیسرے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور تیسرے نے چوتھے کا، یہاں تک کہ چاروں گڑھے میں آرہے، شیر ابھی زندہ تھا، اس نے چاروں کو اتنا زخمی کیا کہ وہیں ان کی موت واقع ہوگئی۔ اب مرنے والوں کے رشتہ داروں میں جھگڑا شروع ہوا کہ ان کا خوں بہا کون دے؟ گفتگو میں تیزی آگئی یہاں تک کہ تلواریں تک نکل آئیں اور خونریزی ہوتے ہوتے بچی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان چاروں کی دِیت (خوں بہا) گڑھا کھودنے والے پر ہے، لیکن اس ترتیب سے کہ پہلے کو چوتھائی دِیت، دُوسرے کو تہائی دِیت، تیسرے کو آدھی دِیت اور چوتھے کو پوری دِیت ملے گی۔ بعد میں یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی۔

علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ چاروں خطاءً قتل ہوئے تھے، اور گڑھا کھودنے والا ان کی دِیت کا ذمہ دار تھا، لیکن پہلا شخص مقتول ہونے کے ساتھ ساتھ تین آدمیوں کو کھینچنے کی وجہ سے ان کا قاتل بھی تھا، لہٰذا جو دِیت اس کو ملتی اس کے تین حصے ہر مقتول پر تقسیم ہوکر اس کے لئے صرف چوتھائی حصہ بچا، اسی طرح دُوسرا شخص دو آدمیوں کا قاتل ہے، اس لئے اس کی دِیت کے دو تہائی حصے اس کے دو مقتولوں کو اور ایک حصہ خود اس کو ملے گا، تیسرا شخص ایک آدمی کا قاتل تھا،

اس لئے آدھی دِیت اس کے مقتول کی اور آدھی دِیت خود اس کی ہوگی، اور چوتھے نے کسی کو نہیں کھینچا اس لئے اسے پوری دِیت ملے گی۔

(تفسیر القرطبیؒ ج:۱۵ ص:۱۶۳، تفسیر "وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ")

ایک آنے کا سُود

رچرڈ پرائس برطانیہ کا مشہور عیسائی عالم (Thelogian) اور ماہرِ معاشیات ہے، اس نے اپنے ایک مضمون میں باقاعدہ حساب لگا کر بتایا تھا کہ اگر [illegible]ء میں ایک پینی (جو تقریباً ایک آنے کے مساوی ہوتی ہے) سودِ مرکب پر کسی کو قرض دی گئی ہو تو سرمایہ دارانہ نظام کے شروع ہونے تک اس کا سود اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ اس سے سونے کا ایک کرہ تیار ہو سکتا ہے جس کا حجم کرۂ زمین سے کئی گنا زائد ہوگا۔

(L. Leantyer: A Short Coursre of Political Economy, Progress Publishers, Moscow 1968)

عطائے تو بہ لقائے تو

قاضی بکار بن قتیبہؒ مصر کے مشہور محدّث اور فقیہ گزرے ہیں، اِمام ابو جعفر طحاویؒ کے اُستاذ ہیں، اور انہوں نے شرح معانی الآثار میں متعدّد حدیثیں آپ کی سند سے روایت کی ہیں۔ ان کے زمانے میں احمد بن طولون مصر کے حکمران تھے، اور وہ قاضی بکارؒ سے درسِ حدیث لینے کے لئے خود ان کی مجلس میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کا دربان پہلے مجلس کے قریب پہنچ کر لوگوں سے کہہ دیتا کہ: ''کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اُٹھے'' اس کے بعد ابنِ طولون چپکے سے آکر بیٹھ جاتے اور عام طلباء کی صف میں بیٹھ کر حدیث کا درس لیتے تھے۔ ایک زمانے تک ابنِ طولون اور قاضی بکارؒ کے تعلقات بہت خوشگوار رہے، اور اس عرصے میں احمد بن طولون قاضی صاحبؒ کی تنخواہ کے علاوہ ان کی خدمت میں سالانہ ایک ہزار دینار بطورِ ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔

اتفاق سے ایک سیاسی مسئلے میں قاضی صاحبؒ اور احمد بن طولون کا اختلاف ہوگیا، ابنِ طولون چاہتے تھے کہ وہ اپنے ولی عہد کو معزول کر کے کسی اور کو ولی عہد بنائیں اور قاضی صاحبؒ سے اس کی تصدیق کرائیں، قاضی صاحبؒ اسے دُرست نہ

سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے انکار کر دیا، اس کی وجہ سے تعلقات کشیدہ ہو گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابنِ طولون نے قاضی صاحبؒ کو قید کر دیا، اور یہ پیغام ان کے پاس بھیجا کہ جتنے دینار آپ کو بطورِ ہدیہ دیئے گئے ہیں، وہ سب واپس کیجئے۔

سالانہ ایک ہزار دینار دینے کا سلسلہ اٹھارہ سال سے جاری تھا، اس لئے مطالبہ یہ تھا کہ ۱۸ ہزار دینار فوراً واپس کئے جائیں۔ ابنِ طولون سمجھتے تھے کہ یہ مطالبہ قاضی صاحبؒ کو زچ کر دے گا۔ لیکن جب پیغام ان کے پاس پہنچا تو قاضی صاحبؒ کسی تردّد کے بغیر اندر تشریف لے گئے اور گھر سے اٹھارہ تھیلیاں نکال لائے جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک ہزار دینار تھے، یہ تھیلیاں ابنِ طولون کے پاس پہنچیں تو اس نے دیکھا کہ یہ بعینہٖ وہی تھیلیاں تھیں جو قاضی صاحبؒ کے پاس بھیجی گئی تھیں اور ان کی مہریں تک نہیں ٹوٹی تھیں۔ ابنِ طولون یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قاضی بکارؒ نے ان میں سے ایک تھیلی بھی کھولی نہیں تھی، بلکہ اسے جوں کا توں محفوظ رکھ لیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قاضی بکارؒ نے اسی خیال سے انہیں استعمال نہیں کیا تھا کہ امیر سے بلاشبہ اس وقت تعلقات اچھے ہیں، لیکن کبھی اختلاف پیدا ہوا تو انہیں جوں کا توں لوٹایا جا سکے گا ـــــــ ابنِ طولون قاضی بکارؒ کی یہ بلندیٔ کردار، ذہانت و حکمت اور اِستغناء کی نرالی شان دیکھ کر شرم سے عرق عرق ہو گیا۔

(یوسف بن تغری بردیؒ: النجوم الزاہرہ فی اخبار ملوک مصر والقاہرہ ج:۳ ص:۱۹)

شکرِ عافیت

ابوحمزہ محمد بن میمون سکریؒ (متوفی ۱۶۸ھ) مشہور محدث ہیں، ''سکری'' کے لفظی معنی ہیں ''نشے والا'' اصل میں سکری نشہ آور اشیاء فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں، لیکن حضرت ابوحمزہؒ کے لئے یہ لقب اس لئے مشہور ہوا کہ ان کا اندازِ گفتگو بڑا شیریں اور مؤثر تھا۔ انہی حضرت ابوحمزہؒ کا معمول تھا کہ اگر ان کے پڑوس میں کوئی شخص بیمار ہوتا تو اس کی جتنی رقم علاج معالجے پر صَرف ہوتی، یہ اتنی ہی رقم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے بچا کر مجھ پر اِحسان

فرمایا، اس کا شکر یہ ہے کہ کم از کم اتنی رقم صدقہ کر دی جائے۔

حضرت ابوحمزہؒ کے پڑوسی ان سے اس قدر خوش تھے کہ ان کے ایک پڑوسی نے اپنا مکان بیچنے کا ارادہ کیا تو خریدار نے قیمت پوچھی، اس نے جواب دیا: ''دو ہزار تو گھر کی قیمت ہے اور دو ہزار ابوحمزہ کے پڑوس کی۔'' حضرت ابوحمزہؒ کو پڑوسی کے اس جملے کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے چار ہزار روپے اپنے پاس سے پڑوسی کے پاس بھیج دیئے اور فرمایا: ''رکھ لو اور گھر مت بیچو۔''

(خطیبؒ: تاریخ بغداد ج:۳ ص:۲۶۸ و ۲۶۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

آتشِ نمرود میں عشق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ تو مشہور ہے کہ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہی نمونہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے ایک بزرگ حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ظاہر فرمایا، جس وقت یمن کے جھوٹے مدعیٔ نبوت اسود عنسی نے انہیں بلا کر اپنی نبوت کا اِقرار لینا چاہا، لیکن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اسود عنسی نے آگ کی ایک زبردست چتا دہکائی اور حضرت ابومسلم خولانیؒ کو اس میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنا دیا، اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔ لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ ان کو مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے، اس لئے یہاں سے جلاوطن کر دیں، چنانچہ اسود عنسی نے حضرت ابومسلم خولانیؒ کو جلاوطن کر دیا۔

یمن سے جلاوطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رُخ کیا، جب یہ مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تھے۔ مسجدِ نبوی کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اُونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے، حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''یمن سے!''

اس واقعے کی شہرت مدینہ تک پہنچ چکی تھی کہ اسود عنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا، مگر وہ اللہ کی رحمت سے محفوظ رہا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا:

''ہمارے اس دوست کا کیا قصہ تھا جسے اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے آگ میں ڈالا تھا مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا؟''

''وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا تھا'' ابومسلم خولانیؒ نے جواب دیا۔ عبداللہ بن ثوب، ابومسلم خولانیؒ ہی کا نام تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''قسم کھا کر بتاؤ وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟''

''ہاں وہ میں ہی ہوں!'' ابومسلمؒ نے فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ابومسلم خولانیؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے گئے اور فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اُمتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہ دی جس کے ساتھ بالکل ابراہیم علیہ السلام جیسا معاملہ ہوا۔''

یہ ابومسلم خولانیؒ حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے، حضرت معاویہؓ ان کا بڑا اِحترام فرماتے تھے، یہ حضرت معاویہؓ کو نرم و گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے اور وہ ان کی باتیں بڑی قدر کے ساتھ سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو یا تین مہینے تک تنخواہیں نہیں ملیں، اسی دوران حضرت معاویہؓ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابومسلمؒ نے بیچ ہی میں کہا:

''اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے، نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔''

حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا: ''لوگو! ابومسلم نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا، اور نہ میری ماں کا، ابومسلم نے سچ کہا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل

کرلے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کرلو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔"
(حلیۃ الاولیاء لابی نعیمؒ ج:۲ ص:۱۲۸ تا ۱۳۰)

چور کے لئے دُعا

حضرت ربیع بن خثیمؒ مشہور محدث اور ولی اللہ ہیں، عبادت و زُہد میں اپنی نظیر آپ تھے، ایک مرتبہ ان کا ایک گھوڑا چوری ہوگیا، لوگوں نے کہا کہ چور کے لئے بددُعا کردیجئے۔ حضرت ربیعؒ نے فرمایا: "نہیں! میں اس کے لئے یہ دُعا کررہا ہوں کہ اگر وہ مال دار ہے تو اللہ اس کے دِل کی اصلاح کردے اور اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے خوشحالی عطا فرمائے۔"
(حلیۃ الاولیاء ج:۲ ص:۱۱۱)

ایک حکیمانہ مقولہ

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیرؒ فرماتے ہیں: "لأن أبیت نائمًا وأصبح نادمًا أحبّ إلیّ من ان أبیت قائمًا وأصبح معجبًا" میں رات بھر سوتا رہوں اور صبح کو شرمندہ ہوں (کہ رات کا کوئی حصہ کسی نفل عبادت میں نہیں گزارا) یہ مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں رات بھر عبادت میں کھڑا رہوں اور صبح کو دِل میں اپنی عبادت کی وجہ سے خودپسندی کے جذبات ہوں۔"

نیز فرماتے ہیں: "میرا پروردگار قیامت کے دن مجھ سے یہ سوال کرے کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ تو یہ مجھے گوارا ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ سوال کرے کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا؟"
(ایضاً ج:۲ ص:۲۰۰)

مذہبی رواداری

فقہاء کے درمیان بہت سے علمی مسائل میں شدید اِختلاف رُونما ہوا، بعض مرتبہ محض افضلیت اور عدمِ افضلیت کے مسائل پر زوردار مباحثے ہوئے، بلکہ ان مسائل میں لطیف علمی چوٹیں بھی چلتی رہی ہیں۔ رُکوع میں جاتے وقت ہاتھ اُٹھائے جائیں یا نہ اُٹھائے جائیں؟ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے؟ اَذان میں ترجیع کی جائے یا نہیں؟ یہ بڑے معرکۃ الآراء مسائل رہے ہیں، لیکن درحقیقت یہ سارے

اختلافات اس بارے میں ہیں کہ افضل طریقہ کون سا ہے؟ ورنہ نماز ہر ایک کے نزدیک بلا کراہت ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل پر بحث و مباحثے کی گرم بازاری کے باوجود باہمی رواداری کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ آج اسی قسم کا ایک واقعہ نظر سے گزرا، حاضرِ خدمت ہے۔

علامہ طحطاویؒ نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابو عاصم عامریؒ ایک حنفی عالم تھے، ایک مرتبہ وہ مشہور شافعی عالم علامہ قفالؒ کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے، شافعی مسلک میں تکبیر کہتے وقت شہادتین "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" اور "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ" اور حیعلتین "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" صرف ایک ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں اور حنفی مسلک میں دو دو مرتبہ۔ علامہ قفالؒ نے قاضی ابو عاصمؒ کو مسجد میں دیکھا تو ان کے اِحترام کی وجہ سے مؤذن کو حکم دیا کہ آج تم تکبیر کے یہ کلمات دو مرتبہ کہنا۔ اس کے بعد انہوں نے قاضی ابو عاصمؒ سے نماز پڑھانے کو کہا تو قاضی صاحبؒ نے نماز پڑھاتے وقت سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ جہراً پڑھی اور نماز کے کئی دوسرے افعال بھی شافعی مسلک کے مطابق ادا کیے۔

(طحطاویؒ: حاشیہ الدر المختار ج:۱ ص:۵۰، طبع مصر)

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کی رواداری انہی مسائل میں مناسب ہے جن میں اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہو، ورنہ جہاں حلال و حرام یا جائز و ناجائز کا اختلاف ہو وہاں جس مسلک کو اِنسان دُرست سمجھتا ہے اسے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

لطیف شکایت، اور اس کا حکیمانہ اِزالہ

اِمام شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: "امیر المؤمنین! میرے شوہر جیسا نیک آدمی شاید دُنیا میں کوئی نہیں، وہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔

حضرت عمرؓ اس کی بات کا منشا پوری طرح نہ سمجھ پائے اور فرمایا: "اللہ تمہیں برکت

دے اور تمہاری مغفرت کرے، نیک عورتیں اپنے شوہر کی ایسی ہی تعریف کرتی ہیں۔"

عورت نے یہ جملہ سنا، کچھ دیر جھجکی، رُکی اور پھر واپس جانے کے لئے کھڑی ہوگئی۔

کعب بن سوارؓ بھی موجود تھے، انہوں نے عورت کو واپس جاتے دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا:

"امیر المؤمنین! آپ اس کی بات نہیں سمجھے، وہ اپنے شوہر کی تعریف نہیں، شکایت کرنے آئی تھی، اس کا شوہر جوشِ عبادت میں زوجیت کے پورے حقوق ادا نہیں کرتا۔"

"اچھا یہ بات ہے!" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بلاؤ اسے!"

وہ عورت پھر واپس آئی، اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی حضرت کعب بن سوارؓ کا خیال صحیح تھا، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ: "اب تم ہی اس کا فیصلہ کرو!"

"امیر المؤمنین! آپ کی موجودگی میں کیسے فیصلہ کروں؟" حضرت کعبؓ نے کہا۔

"ہاں! تم نے ہی اس کی شکایت کو سمجھا، تم ہی اس کا ازالہ کرو" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اس پر حضرت کعبؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، اگر کوئی شخص اس اجازت پر عمل کرتے ہوئے چار شادیاں کرے تو بھی ہر بیوی کے حصے میں چار میں سے ایک دن رات آتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر چوتھا دِن رات ایک بیوی کا حق ہے، لہٰذا آپ فیصلہ دیجئے کہ اس عورت کا شوہر تین دن عبادت کرسکتا ہے، لیکن چوتھا دِن لازماً اسے اپنی بیوی کے ساتھ گزارنا چاہئے۔"

یہ فیصلہ سن کر حضرت عمرؓ پھڑک اُٹھے اور فرمایا: "یہ فیصلہ تمہاری پہلی فہم و فراست سے بھی زیادہ عجیب ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ کو بصرہ کا قاضی بنا دیا۔

(ابنِ عبدالبرؒ: الاستیعاب تحت الاصابہ ج:۳ ص:۲۸۶، مطبع مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۸ھ)

قاضی ایاسؒ کی ذہانت

قاضی ایاسؒ اپنی ذہانت اور زیرکی میں ضرب المثل ہیں، ان کی ذہانت کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر ان سے کہا کہ میں نے کچھ مال فلاں کے پاس امانت رکھوایا تھا، اب مانگتا ہوں تو وہ مکر جاتا ہے۔ قاضی ایاسؒ نے مدعاعلیہ کو بلوا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ مدعی نے میرے پاس کوئی امانت نہیں رکھوائی۔

اب قاضی صاحب نے مدعی سے کہا: ''تم نے یہ مال اسے کس جگہ سپرد کیا تھا؟''

جنگل میں ایک جگہ!'' مدعی نے کہا۔

''اس جگہ کی کوئی علامت ہے؟'' قاضی صاحب نے پوچھا۔

''جی ہاں! ایک درخت ہے، اس کے نیچے میں نے یہ امانت سپرد کی تھی'' مدعی نے کہا۔

''اچھا تو تم اس درخت کے نیچے جا کر دیکھو!'' قاضی صاحب نے کہا: ''ہوسکتا ہے کہ تم نے وہاں امانت رکھوانے کے بجائے مال دفن کیا ہو اور بھول گئے ہو۔''

مدعی چلا گیا اور قاضی صاحب نے مدعاعلیہ سے کہا: ''اس کے آنے تک تم بیٹھے رہو۔''

اس کے بعد قاضی صاحب دُوسرے مقدمات کے فیصلوں میں مصروف ہوگئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اچانک اس مدعاعلیہ سے پوچھا: ''کیا خیال ہے؟ وہ شخص اس درخت کے پاس پہنچ گیا ہوگا؟''

''نہیں، ابھی نہیں!'' مدعاعلیہ نے بے ساختہ کہا۔

بس! قاضی صاحب نے وہیں چور پکڑ لیا، ظاہر ہے کہ اس شخص کا درخت کو پہچاننا اور اس کے فاصلے کا اندازہ کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ اس نے واقعۃً اس درخت کے نیچے مدعی سے کوئی معاملہ کیا تھا۔

اس کی خیانت کا راز فاش ہوگیا، اور پھر اسے خود جرم کا اعتراف کرتے ہی بنا پڑی۔

اسی طرح ایک اور شخص نے آپ سے آکر یہی شکایت کی کہ فلاں شخص میری امانت دبا کر بیٹھ گیا ہے، قاضی صاحب نے اس سے کہا کہ: ''اب تم چلے جاؤ! اور مدعاعلیہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دو کہ تم نے میرے پاس اس کی شکایت کی ہے، پھر دو روز بعد میرے پاس آنا۔''

وہ شخص چلا گیا تو قاضی ایاسؒ نے اس شخص کو بلا کر اس سے کہا: ''میرے پاس بہت سا مال آگیا ہے، اگر تمہارا گھر محفوظ ہو تو وہ تمہارے یہاں رکھوا دیا جائے؟''

اس نے کہا: ''جی ہاں! میرا گھر بالکل محفوظ ہے۔''

''اچھا تو تم اس کے لئے جگہ وغیرہ بنا کر رکھو'' قاضی صاحبؒ نے کہا۔

وہ شخص خوشی خوشی چلا گیا، اس کے بعد مدعی حاضر ہوا تو قاضی صاحبؒ نے اس سے کہا: ''اب جا کر اپنے دوست سے اپنا مال طلب کرو، اگر دیدے تو ٹھیک ہے، اور اگر انکار کرے تو اس سے کہہ دو کہ میرا مال واپس کر دو ورنہ میں قاضی کو خبر کرتا ہوں۔''

مدعی یہ سن کر مدعاعلیہ کے پاس پہنچا اور اس سے انہی الفاظ میں تقاضا کیا تو اس نے مال حوالے کر دیا۔

اس کے بعد مدعاعلیہ قاضی صاحب کے پاس آیا تو قاضی صاحب نے اسے سخت سست کہہ کر رخصت کر دیا۔

(ابن القیمؒ: الطرق الحکمیۃ السیاسیۃ الشرعیۃ ص: ۲۲ و ۲۳، مطبعۃ الاتحاد الشرقی، دمشق ۱۳۷۵ھ)

قیافہ شناسی

انہی قاضی ایاسؒ کے بارے میں ابراہیم بن مرزوق بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایاس بن معاویہؒ کے قاضی بننے سے پہلے ہم ایک دن ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور سامنے کی ایک اونچی سی دکان پر بیٹھ گیا اور راہ گیروں کو تکنے لگا، تھوڑی دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک راہ گیر کے پیچھے لپکا، اور سامنے سے اس کا چہرہ دیکھ کر واپس آگیا، اور پھر وہیں بیٹھ گیا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ ایاس بن معاویہؒ نے اسے دیکھ کر کہا:

''بتاؤ یہ شخص کیا چاہتا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''آپ ہی بتایئے!''

''یہ شخص بچوں کو پڑھاتا ہے اور اس کا کوئی کانا غلام گم ہوگیا ہے، اس کی تلاش میں ہے۔'' ایاس بن معاویہؒ نے کہا۔

اس پر ہم میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے جا کر اس شخص سے پوچھا:

''آپ کس چیز کی تلاش میں ہیں؟''

''میرا ایک غلام گم ہوگیا ہے، اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں'' اس نے کہا۔

پوچھا: ''وہ غلام کیسا تھا؟'' اس پر اس نے غلام کے بہت سارے اوصاف بیان کئے اور آخر میں کہا: ''اس کی ایک آنکھ بھی ندارد ہے۔''

پوچھا: ''آپ کا مشغلہ کیا ہے؟''

کہنے لگے: ''بچوں کو پڑھاتا ہوں!''

ہم نے حیران ہو کر ایاسؒ سے پوچھا کہ: ''یہ سب باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟''

ایاس بن معاویہؒ نے فرمایا: ''میں نے اس شخص کو یہاں آتے ہوئے دیکھا تھا، یہ اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی موزوں جگہ تلاش کر رہا تھا، اور آخر میں اس نے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو اس علاقے میں سب سے اُونچی جگہ تھی۔ میں نے اس کا سراپا دیکھا تو مجھے وہ کوئی شاہی خاندان کا فرد معلوم نہیں ہوا۔ اس پر میں نے سوچا کہ اور ایسا کون ہوسکتا ہے جو بادشاہوں کی طرح بیٹھنا پسند کرتا ہو؟ سوچنے پر خیال آیا یہ مزاج صرف بچوں کے معلّموں کا ہوسکتا ہے، اس سے میں سمجھ گیا کہ یہ شخص مُعلّم ہے۔

ہم نے پوچھا: ''اور غلام کے قصے کا آپ نے کیسے پتہ لگایا؟''

ایاسؒ نے جواب دیا: ''اسی دوران اس شخص نے ایک معمولی حیثیت کے ایسے راہ گیر کا چہرہ جا کر دیکھا تھا جس کی ایک آنکھ غائب تھی، اس سے میں سمجھا کہ وہ اپنے غلام کو تلاش کر رہا ہے، اور غلام بھی کانا ہے۔'' (الطرق الحکمیۃ ص:۲۹)

مامون کا ایک کلمۂ حکمت

عبداللہ بن طاہر کہتے ہیں کہ ایک دن میں مامون رشید کے پاس بیٹھا تھا کہ

انہوں نے اپنے نوکر کو آواز دی۔

''اے لڑکے!'' مگر کسی نے جواب نہیں دیا، اس نے دوبارہ آواز دی تو ایک ترکی لڑکا بڑبڑاتا ہوا نکلا اور تند لہجے میں کہنے لگا:

''جہاں ہم آپ کے پاس سے نکلتے ہیں آپ ''لڑکے، لڑکے'' پکارنے لگتے ہیں، آخر ہم کب تک یہ ''لڑکے، لڑکے'' کی آوازیں سنتے رہیں گے۔''

مامون نے یہ سن کر سر جھکا لیا، یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب مجھے اس لڑکے کو قتل کرنے کا حکم ملنے والا ہے، لیکن تھوڑے سے وقفے کے بعد مامون نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

''عبداللہ! اگر کوئی شخص اپنے اخلاق اچھے رکھنے کی کوشش کرے تو اس کے نوکروں کے اَخلاق بگڑ جاتے ہیں، اور اگر اس کے اپنے اَخلاق خراب ہو جائیں تو اس کے نوکر خوش خلق ہو جاتے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں کر سکتے کہ اپنے نوکروں کے اَخلاق سنوارنے کے لئے اپنا مزاج بگاڑ لیں۔''

(محمد بن محمد: الیواقیت العصریہ ص:۱۴۲، مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۴۹ھ)

ان لذتوں سے اُکتاہٹ نہیں ہوتی

مامون رشید نے ایک دن حسن بن سہیل سے کہا:

''میں نے دُنیا کی تمام لذتوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک لذت ایسی ہے جس سے انسان کسی نہ کسی وقت اُکتا جاتا ہے، لیکن سات لذتیں ایسی ہیں جن سے کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی، گندم کی روٹی، بکری کا گوشت، ٹھنڈا پانی، ملائم کپڑا، خوشبو، گداز بستر، اور ہر قسم کے حسن کو دیکھنا۔''

حسن بن سہیل نے کہا: ''امیرالمؤمنین! ایک چیز رہ گئی، اور وہ ہے لوگوں سے بات چیت!'' مامون نے اس کی تصدیق کی۔ (ایضاً ص:۱۴۴)

سلیقۂ گفتار

کوفہ کے باشندوں نے مامون کے پاس اپنے گورنر کی شکایت کی اور کہا کہ

اس کا تبادلہ کردیجئے، مامون نے حیران ہوکر کہا: ''میں سمجھتا ہوں کہ میرے گورنروں میں اس سے زیادہ عادل اور اس سے زیادہ راست باز کوئی نہیں۔''

اس پر ایک شخص بولا: ''امیرالمؤمنین! اگر ہمارا گورنر واقعی ایسا ہے تو پھر آپ کو اہلِ ملک کے ساتھ اِنصاف کرنا چاہئے، اور تھوڑے تھوڑے عرصے کے لئے اس سے ہر شہر کو مستفید کرنا چاہئے، اگر ایسا کریں تب بھی کوفہ کے حصے میں اس کے تین سال سے زائد نہیں آئیں گے۔''

مامون اس پر ہنس پڑا اور حاکم کا تبادلہ کردیا۔

ایک اور شخص مامون کو راستے میں ملا اور کہنے لگا:

''میں ایک عرب ہوں!''

''یہ کوئی عجیب بات نہیں!'' مامون نے کہا۔

''میں حج کو جانا چاہتا ہوں!'' وہ شخص بولا۔

''راستہ سامنے ہے چلے جاؤ!'' مامون نے جواب دیا۔

''میرے پاس پیسے نہیں!'' وہ کہنے لگا۔

''تو تم پر حج فرض ہی نہیں رہا'' مامون نے کہا۔

اس پر اس شخص نے برجستہ کہا: ''میں آپ سے فتویٰ نہیں ہدیہ لینے آیا تھا۔''

مامون ہنس پڑا اور اسے اِنعام دیا۔ (ایضاً ص:۱۶۱،۱۶۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا راستہ

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو راستہ اِختیار فرمایا وہ ان مقامات سے گزرتا ہے: خرار، ثنیة المَرة، لَقف، مُدلَجة، مِجاج، مرجح مجاج، بطن مرجح، بَطنُ ذاتِ کَشُد، الحدائد، الاذاخر، بَطنُ رَیغ (یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی)، ذو سلم، مُدلَجة، العثانية، بَطنُ القاحة، العَرج، الجدوات، الغابر، رَکُوبَة، بَطنُ العَقیق، الجثجاثة، الظبی، العُصبَة (یہ قباء کے قریب سیاہ پتھروں والی زمین کا نام تھا)۔

(طبقاتِ ابن سعدؒ ج:۱ ص:۲۱۹، لجنة نشر الثقافة الإسلامية القاهرة ۱۳۵۸ھ)

زشاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند

سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی سطوت اور خوں ریزی میں بہت مشہور ہے، ایک مرتبہ وہ صوفی بزرگ حضرت شیخ قطب الدین منورؒ کی رہائش گاہ کے قریب سے گزرا، حضرت قطب صاحب رحمہ اللہ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس کے استقبال کے لئے باہر نہیں نکلے، سلطان کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے باز پرس کے لئے حضرت قطب صاحبؒ کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔ حضرتؒ دربار میں داخل ہوئے تو ملک کے تمام بڑے بڑے اُمراء، وزراء اور فوجی افسر بادشاہ کے سامنے مسلح ہوکر دورویہ کھڑے تھے، دربار کے رُعب داب کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کے کلیجے پگھلے جارہے تھے۔ حضرت قطب صاحبؒ کے ساتھ ان کے نوعمر صاحب زادے نورالدینؒ بھی تھے، انہوں نے اس سے قبل کبھی بادشاہ کا دربار نہیں دیکھا تھا، ان پر یہ پُرہیبت منظر دیکھ کر رُعب طاری ہوگیا۔ حضرت قطب صاحبؒ نے بیٹے کو مرعوب دیکھا تو زور سے پکار کر کہا:

"اَلْعَظَمَةُ لِلّٰہِ" (عظمت تمام تر اللہ کے لئے ہے)

حضرت نورالدینؒ فرماتے ہیں کہ جونہی اپنے والد کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی، میں نے اپنے اندر ایک عجیب وغریب قوت محسوس کی، میرے دل سے دربار کی ساری ہیبت زائل ہوکر رہ گئی اور تمام حاضرین مجھے ایسے معلوم ہونے لگے جیسے وہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ ہو۔

(الارکان الاربعہ، للاستاذ ابی الحسن علی الندوی ص:۲۷، بحوالہ سیر الاولیاء ص:۳۵۳ تا ۳۵۵)

امریکا میں جرائم کی تازہ ترین رپورٹ

امریکا میں جرائم کی روزافزوں تعداد اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہی۔ اخبار ڈیلی نیوز کراچی میں اس کی تازہ ترین رپورٹ یہ شائع ہوئی ہے:

"واشنگٹن-۲۹ اگست- (ب پ ا/ڈپ ا) یہاں کے ایف بی آئی (غالباً فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن مراد ہے) نے آج جو رپورٹ شائع کی ہے اس کے

مطابق امریکا میں اس سال ہر تیس منٹ میں ایک قتل ہوا۔ اس رپورٹ کے مطابق یہاں پر ۳۹ سیکنڈ میں کوئی ایک جرم ضرور سرزد ہوجاتا ہے۔ ہر ۱۳ منٹ کے بعد کسی امریکی عورت کے ساتھ زِنا بالجبر کیا جاتا ہے، ہر ۸۱ سیکنڈ میں کوئی زبردست ڈاکا پڑتا ہے اور ہر ۸۶ سیکنڈ میں کسی ایک امریکی شہری پر جسمانی حملہ کیا جاتا ہے۔

اس سال پورے ملک میں جرائم کی شرح میں سات فیصد اضافہ ہوا، تشدد آمیز جرائم مثلاً قتل، زِنا بالجبر اور ڈاکا وغیرہ میں گیارہ فیصد، اور املاک کے خلاف جرائم مثلاً چوری اور نقب زنی میں سات فیصد، واضح اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سال ۱۷۶۳۰ اَفراد قتل ہوئے، یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلے میں ۱۷۷۰ کے بقدر زائد ہے، اور گزشتہ پانچ سال کے مقابلے میں قتل کی وارداتوں میں ۶۱ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس سال زِنا بالجبر کی بیالیس ہزار وارداتیں ہوئیں، یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلے میں گیارہ فیصد اور پچھلے پانچ سال کے مقابلے میں ۶۴ فیصد زائد ہے۔

مار دھاڑ کے ساتھ ڈاکوؤں کی تعداد امسال تین لاکھ پچاس ہزار نو سو دس تھی، جو ۱۹۷۰ء کے مقابلے میں گیارہ فیصد، اور ۱۹۶۶ء کے مقابلے میں ۱۴۵ فیصد زیادہ ہے۔ (روزنامہ ڈیلی نیوز کراچی، شمارہ ۲۹ راگست ۱۹۷۲ء صفحہ اوّل، کالم: ۶)

واضح رہے کہ یہ تعداد وہ ہے جو سرکاری محکموں کے علم میں آگئی، خفیہ طور پر جو جرائم کئے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں، اقبال مرحوم یاد آگئے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا!
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

خاندانی منصوبہ بندی کی طرف ایک اور قدم
اِسقاطِ حمل کی اجازت

دو سال پہلے امریکا کے صدر نکسن نے جان ڈی۔ راک فیلر کی سربراہی میں

ایک کمیشن قائم کیا تھا جو امریکا میں مسئلہ آبادی کا جائزہ لے سکے، حال ہی میں اس کمیشن کی رپورٹ ''آبادی اور امریکی مستقبل'' (Popolation and the American Future) کے نام سے شائع ہوئی ہے، جو متعدد دلچسپ اعداد و شمار اور تبصروں پر مشتمل ہے، اس رپورٹ کے کچھ اقتباسات امریکی ماہنامہ "Panorama" کے تازہ شمارے میں نکلے ہیں، اس میں مسئلہ آبادی پر تبصرہ کرتے ہوئے انکشاف کیا گیا ہے کہ ایک اندازے کے مطابق امریکا کے مختلف علاقوں میں ہر سال دو لاکھ سے لے کر بارہ لاکھ تک ناجائز اِسقاطِ حمل کے واقعات ہوتے ہیں، کمیشن نے اس صورتِ حال کا جو علاج تجویز کیا ہے اس کو پڑھئے اور سر دُھنئے:

''کمیشن اس نقطۂ نظر کی حمایت کرتا ہے کہ اِسقاطِ حمل ایک طبی عمل ہے اور اس اِقدام کو خفیہ کوٹھڑیوں سے نکال کر ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کے مطب میں لایا جائے۔ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ جو عورتیں اِسقاط کرانے کی درخواست کریں انہیں نہ صرف اس کی اجازت دی جائے بلکہ ہسپتالوں میں اس کا انتظام کیا جائے۔ اس سے ناجائز اِسقاطِ حمل کی وارداتوں میں کمی ہوگی، زچگی اور شیرخوارگی کی اموات اور بغیر شادی کی ولادتیں بھی کم ہوجائیں گی۔ اور عورتوں بچوں کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ کمیشن کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ عورتوں کے اپنے فیصلے پر چھوڑنا چاہئے کہ وہ کتنے بچوں کی ماں بنیں اور اِسقاطِ حمل کا معاملہ ہر متعلقہ فرد کے اپنے ضمیر کے حوالے کردینا چاہئے۔'' (Panaorama V.XXIV No.9, p.13, Column.2)

اس پہلودار تجویز میں جو عجیب و غریب نکات پوشیدہ ہیں ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس جملے پر غور فرمائیے کہ: ''اس سے ناجائز اِسقاطِ حمل کی وارداتوں میں کمی ہوگی'' ناجائز اَفعال کو ختم کرنے کا یہ فلسفہ مہذب دُنیا کے ان داناؤں ہی کی خصوصیت ہے کہ جس ناجائز فعل کی کثرت ہوتی جائے اسے جائز قرار دیتے جاؤ، اس طرح دُنیا میں کوئی فعل ناجائز نہیں رہے گا۔ یہ جملہ بھی حکمت و دانائی کی معراج ہے کہ ''اس طرح بغیر شادی کی ولادتیں کم ہوجائیں گی۔'' لیکن جس فعل کے زیرِ اَثر یہ ولادتیں ناجائز کہلاتی ہیں، اس میں دسیوں گنا اضافہ ہوتا رہے تو ان داناؤں کی بلا سے۔

اور اس آخری فقرے نے تو ستم ظریفی کی انتہا ہی کردی ہے کہ: ''اِسقاطِ حمل کا معاملہ ہر متعلقہ فرد کے اپنے ضمیر کے حوالے کر دینا چاہئے'' سوال یہ ہے کہ جس معاشرے میں جائز و ناجائز کا مفہوم یہی کچھ ہو، کیا اس میں ضمیر نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہوگی؟ پھر یہ تجویز ہمارے ملک کے ان حضرات کے لئے بھی شاید مقامِ عبرت ہو جو مہذب کہلانے کے شوق میں خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت کرتے اور یہ کہتے آئے ہیں کہ اس تحریک سے اِسقاط یا قتلِ اولاد مقصود نہیں، لہٰذا اس پر ''لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ'' کی آیت نہ پڑھی جائے۔

والدِ ماجد سے سنے ہوئے کچھ منتخب اَشعار

پچھلے دنوں والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی دِل کے عارضے کی وجہ سے سخت بیمار رہے، چند ہفتوں کے بعد بحمداللہ دِل کی حالت تو قابلِ اطمینان ہوگئی، مگر ضعف اب تک بہت زیادہ ہے، اس دوران موصوف کے بیشتر علمی مشاغل تو بڑی حد تک موقوف رہے (اگرچہ انہی دنوں میں موصوف نے قرآنِ کریم کے تقریباً ایک پارے کی تفسیر لکھی ہے) لیکن جب کبھی طبیعت پرنشاط ہوتا تو چھوٹی چھوٹی مختصر مجلسوں میں علمی وادبی اِفادات کا سلسلہ جاری ہوجاتا تھا۔ ایک ایسی ہی مجلس میں حضرت مدظلہم سے سنے ہوئے چند منتخب واقعات اور اَشعار ذیل میں حاضر ہیں:-

۱- فرمایا: غالباً حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہندو منشی تھا، جس نے ایک مرتبہ غبن کے جرم کا اِرتکاب کیا جس کی پاداش میں اس کی آنکھیں نکلوادی گئیں، اس ہندو منشی نے نابینا ہوجانے پر ایک بے نظیر قطعہ کہا ہے:

بسیار گفتم نفسِ دنی را
ناکردہ باید ناکردنی را
نشنید ازمن ایں نفس کافر
تادید آخر ''نادیدنی'' را

۲- فرمایا: ایک ہندو شاعر نے جس کا نام بھی اب یاد نہیں رہا، مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کے ایک واقعے کو ہلکی پھلکی زبان میں بڑی خوبی سے نظم کیا ہے:-

اک روز مرتضیٰؓ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائبِ رسولِ امینؐ دام ظلکم!
بوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں چین تھا
عثمانؓ کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خُم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے یہ پڑ گئے
اپنی تو عقل ہوگئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے: "یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے؟
ان کے مشیر ہم تھے، ہمارے مشیر تم"(۱)

۳- فرمایا: حضرت شیخ الہندؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، جن کی دُوسرے فرقے کے لوگوں سے بڑی بحثیں چلتی رہتی تھیں، ایک مرتبہ ان کے کسی مخالف نے انہیں "کافر" قرار دے دیا، اس پر انہوں نے دو شعر کہے:

مرا کافر اگر گفتی، غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

قطعہ شاعری کے لحاظ سے بڑا بلیغ اور چبھتا ہوا تھا، لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے معنوی لحاظ سے اسے ناپسند کیا اور فرمایا کہ تم نے اسے کھل کر نہ سہی، لطافت کے ساتھ کافر تو کہہ ہی دیا، حالانکہ یہ دُرست نہیں، اس قطعے میں یوں ترمیم کرلو کہ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب احقر نے مقدمہ ابنِ خلدونؒ میں کسی جگہ دیکھا تھا، اس وقت سرسری تلاش سے مل نہیں سکا۔ (محمد تقی عثمانی)

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی، فبہا، وإلّا!
دروغے را جزا باشد دروغے

اس سے معلوم ہوا کہ محض ادبی فقرے چست کرنے کے شوق میں اِعتدال و توازن اور اِحتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں۔

۴- فرمایا: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا شعری و ادبی ذوق بڑا ستھرا تھا، درسِ حدیث کے دوران کبھی کبھی وہ اپنے پسندیدہ اَشعار سنایا کرتے تھے، ان کے انتخاب سے اُن کے مذاقِ سلیم کا اندازہ ہوتا تھا۔ انہی کا سنایا ہوا ایک غزل کا شعر یاد آگیا۔

راستیٔ فتنہ انگیز است سروِ قدِ دوست
ہستیٔ ما جز دروغِ مصلحت آمیز نیست

فاضلینِ دیوبند پر اَوسط اِخراجات

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک کتابچہ "تاریخ دارالعلوم دیوبند" کے نام سے تصنیف فرمایا ہے، جس میں برصغیر کے اس عظیم دِینی اِدارے سے متعلق مفید معلومات جمع فرمائی ہیں، اس کا ایک اِقتباس ملاحظہ ہو:

"سو برس میں جن طلبہ نے دارالعلوم سے اِستفادہ کیا اور جن کے تعلیمی اِخراجات دارالعلوم نے برداشت کئے ان کی مجموعی تعداد ۲۷۷۵۶ ہے، اور جنھوں نے تعلیم مکمل کرکے سند حاصل کی ان کی تعداد ۷۴۱۷ ہے۔ اور تعمیرات کے مصارف کو چھوڑ کر سو برس میں دارالعلوم کا کل صرفہ ستانوے لاکھ چھیالیس ہزار پچاس روپیہ تیرہ

آنہ نو پائی ہے۔ اب اگر اس صَرف کو ۶۵۷ ۲۷ طلبہ پر تقسیم کیا جائے تو ایک طالبِ علم پر خرچ کی مقدار کل ۱۴۹ روپیہ ہوتی ہے، اور اگر اس پورے صرفہ کو ۲۱۴۷ فضلائے کرام پر تقسیم کیا جائے تو ایک مکمل عالم تیار کرنے پر خرچ کی مقدار کل ۱۳۱۴ روپیہ بنتی ہے۔" (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص:۹۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۳۹۲ھ)

کیا کوئی تعلیمی اِدارہ جو دارالعلوم دیوبند کی ٹکر کا ہو، اس سادگی، قناعت، کفایت شعاری اور حسنِ اِنتظام کی مثال پیش کرسکتا ہے؟

صحابہؓ کے آزاد کردہ غلام

نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "النجم الوہاج" کے حوالے سے بعض صحابہؓ کے آزاد کیے ہوئے غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۶۹

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۷۰

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ۱۰۰

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۱۰۰۰

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۲۰

حضرت ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ ۸۰۰۰

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ..... ۳۰،۰۰۰ (صرف ایک دن میں)

(فتح العلام شرح بلوغ المرام ج:۲ ص:۳۳۲، کتاب العتق، طبع میریہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہؓ نے اُنتالیس ہزار دو سو اُنسٹھ غلام آزاد کیے، اور ظاہر ہے کہ دُوسرے ہزاروں صحابہؓ کے آزاد کردہ غلام اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مرضِ وفات

حافظ ابنِ کثیرؒ نے ابنِ عساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مرضِ وفات میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی بیمار

پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

"مَا تَشْتَكِيْ؟" (آپ کو کیا تکلیف ہے؟)۔

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: "ذُنُوْبِيْ!" (اپنے گناہوں کے وبال کی تکلیف ہے)۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "فَمَا تَشْتَهِيْ؟" (آپ کی خواہش کیا ہے؟)۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: "رَحْمَةَ رَبِّيْ" (اپنے پروردگار کی رحمت چاہتا ہوں)۔

"آپ کے لئے کوئی طبیب بھیج دوں؟" حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔

"طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے" حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا۔

"تو پھر اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوادوں؟" حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں!" حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا۔

"یہ رقم آپ کے بعد آپ کی صاحب زادیوں کے کام آجائے گی" حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے تو انہیں ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی تاکید کر رکھی ہے؟ کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقے کی مصیبت نہیں آئے گی۔" (تفسیر ابن کثیر ج:۴ ص:۲۸۱، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۵۶ھ)

سابقین کون ہیں؟

سورۂ واقعہ میں "سابقین" کی بڑی تعریف کر کے ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان "سابقین" سے مراد کس قسم کے لوگ ہیں؟ اس کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو اسے قبول کرلیں، اور جب ان سے حق مانگا جائے تو اسے ادا کر دیں، اور دوسروں کے معاملات میں وہی فیصلہ کریں جو اپنے بارے میں کرتے ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر ج:۴ ص:۲۸۳)

غازی انور پاشا کا آخری خط اپنی بیوی کے نام

غازی انور پاشا ترکی کے اُن جلیل القدر مجاہدین میں سے تھے جنھوں نے اپنی ساری عمر اسلام دُشمنوں کے ساتھ جہاد میں صَرف کی، اور بالآخر رُوسی بالشویکوں سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ انہوں نے اپنی شہادت سے صرف ایک دن پہلے ایک خط اپنی بیوی شہزادی نجیہؔ سلطانہ کے نام روانہ کیا تھا جو انہوں نے ترکی اخبارات میں شائع کرادیا، اور وہیں سے ترجمہ ہوکر ۲۲راپریل ۱۹۲۳ء کے ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوا۔ یہ مکتوب اس قدر ولولہ انگیز اور سبق آموز ہے کہ ہر نوجوان کو پڑھنا چاہیے، ذیل میں اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:-

''میری رفیقۂ حیات اور سرمایۂ عیش و سرور پیاری نجیہؔ!

خدائے بزرگ و برتر تمہارا نگہبان ہے، تمہارا آخری خط اس وقت میرے سامنے ہے۔ یقین رکھو تمہارا یہ خط ہمیشہ، میرے سینے سے لگا رہے گا۔ تمہاری صورت تو دیکھ نہیں سکتا، مگر خط کی سطروں اور حرفوں میں تمہاری اُنگلیاں حرکت کرتی نظر آرہی ہیں، جو کبھی میرے بالوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ خیمے کے اس دھندلکے میں کبھی کبھی تمہاری صورت بھی نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

آہ! تم لکھتی ہو کہ میں تمہیں بھول بیٹھا ہوں اور تمہاری محبت کی کچھ پروا نہیں کی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمہارا محبت بھرا دِل توڑ کر اس دُور افتادہ مقام میں آگ اور خون سے کھیل رہا ہوں۔ اور ذرا پروا نہیں کرتا کہ ایک عورت میرے فراق میں رات بھر تارے گنتی رہتی ہے۔ تم کہتی ہو کہ مجھے جنگ سے محبت ہے اور تلوار سے عشق۔ لیکن یہ لکھتے وقت تم نے بالکل نہ سوچا کہ تمہارے یہ لفظ جو یقیناً سچی محبت نے لکھوائے ہیں، میرے دِل کا کس طرح خون کرڈالیں گے۔ میں تمہیں کس طرح یقین دِلاسکتا ہوں کہ دُنیا

میں مجھے تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں، تم ہی میری تمام محبتوں کا منتہیٰ ہو۔ میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی، لیکن ایک تم ہی ہو جس نے میرا دِل مجھ سے چھین لیا ہے۔

پھر میں تم سے جدا کیوں ہوں؟ راحتِ جان! یہ سوال تم بجا طور پر کرسکتی ہو۔ سنو! میں تم سے اس لئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب ہوں، اس لئے بھی جدا نہیں ہوں کہ اپنے لئے ایک تختِ شاہی قائم کر رہا ہوں جیسا کہ میرے دُشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے، میں تم سے صرف اس لئے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی فرض نہیں، یہی وہ فرض ہے جس کی ادائیگی کی نیت. ہی انسان کو فردوسِ بریں کا مستحق بنادیتی ہے۔ الحمدللہ کہ میں فرض کی محض نیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اسے عملاً انجام دے رہا ہوں۔ تمہاری جدائی ہر وقت میرے دِل پر آرے چلایا کرتی ہے، لیکن میں اس جدائی سے بے حد خوش ہوں، کیونکہ تمہاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم و اِرادے کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اس آزمائش میں پورا اُترا اور اللہ کی محبت اور حکم کو اپنی محبت اور نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ تمہیں بھی خوش ہونا اور خدا کا شکر اَدا کرنا چاہئے کہ تمہارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمہاری محبت کو بھی اللہ کی محبت پر قربان کرسکتا ہے۔

تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں، لیکن تم بھی فرضِ جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہو۔ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ تمہارا جہاد یہ ہے کہ تم بھی اپنے نفس و محبت پر محبتِ خدا کو مقدم رکھو۔ اپنے شوہر کے ساتھ حقیقی محبت کے رشتے کو اور

بھی مضبوط کرو۔ دیکھو! یہ دُعا ہرگز نہ مانگنا کہ تمہارا شوہر میدانِ جہاد سے کسی طرح صحیح وسلامت تمہاری آغوشِ محبت میں واپس آجائے۔ یہ دُعا خودغرضی کی دُعا ہوگی، اور خدا کو پسند نہ آئے گی۔ البتہ یہ دُعا کرتی رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شوہر کا جہاد قبول فرمائے، اسے کامیابی کے ساتھ واپس لائے ورنہ جامِ شہادت اس کے لبوں سے لگائے، وہ لب جو تم جانتی ہو شراب سے کبھی ناپاک نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ تلاوت و ذکرِ الٰہی سے سرشار رہے ہیں۔ پیاری نجیہؔ! آہ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ سر، جسے تم خوبصورت بنایا کرتی تھیں، تن سے جدا ہوگا، وہ تن جو تمہاری محبت کی نگاہوں میں سپاہیوں کا نہیں، نازنینوں کا سا ہے...! انور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شہید ہوجائے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ اس کا حشر ہو۔ دُنیا چندروزہ ہے، موت یقینی ہے، پھر موت سے ڈرنا کیسا؟

جب موت آنے ہی والی ہے تو پھر آدمی بستر پر پڑے پڑے کیوں مرے؟ شہادت کی موت، موت نہیں، زندگی ہے، لازوال زندگی!

نجیہؔ! میری وصیت سن لو، اگر میں شہید ہوجاؤں تو تم اپنے دیور نوری پاشا سے شادی کرلینا۔ تمہارے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز نوری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے سفرِ آخرت کے بعد وہ زندگی بھر وفاداری سے تمہاری خدمت کرتا رہے۔ میری دُوسری وصیت یہ ہے کہ تمہاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات سنانا اور سب کو میدانِ جہاد میں اسلام و وطن کی خدمت کے لئے بھیج دینا۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو میں جنت میں تم سے رُوٹھ جاؤں گا۔

میری تیسری وصیت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی ہمیشہ
خیر خواہ رہنا۔ ان کی ہر ممکن مدد کرتی رہنا کیونکہ اس وقت وطن کی
نجات خدا نے ان کے ہاتھ میں رکھ دی ہے۔ اچھا پیاری رُخصت!
نہیں معلوم کیوں میرا دل کہتا ہے کہ اس خط کے بعد تمہیں پھر کبھی
خط نہ لکھ سکوں گا۔ کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہو جاؤں۔ دیکھو
صبر کرنا، میری شہادت پر غم کھانے کے بجائے خوشی کرنا کہ میرا
اللہ کی راہ میں کام آجانا تمہارے لئے باعثِ فخر ہے۔

نجیہؔ! اب رُخصت ہوتا ہوں، اور اپنے عالمِ خیال میں
تمہیں گلے لگاتا ہوں، اِن شاء اللہ جنت میں ملیں گے اور پھر کبھی
جدا نہ ہوں گے۔ تمہارا انور"

(منقول از ترکانِ احرار، مؤلفہ: عبدالمجید عتیقی، ص: ۱۲۷ تا ۱۳۰، مطبوعہ کابل بک ڈپو، لاہور)

یہاں یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ اس خط کے لکھنے وقت مصطفیٰ کمال پاشا صرف ایک مجاہدِ اسلام کی حیثیت سے معروف تھے، اور انہوں نے ترکی میں وہ اسلام دُشمن اِقدامات نہیں کئے تھے، جو بعد میں پیش آئے۔

دو بھائیوں کی ایک رات

حضرت محمد بن منکدرؒ مشہور تابعی اور راویٔ حدیث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:
"ایک روز میں ساری رات اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا، اور میرے بھائی ابوبکر بن منکدرؒ رات بھر نماز پڑھتے رہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنی وہ رات ان کی رات سے بدلوں۔" (المبسوط للسرخسیؒ ج:۱۰ ص:۱۴۰)

ایک جہاد میں دو صحابہؓ کی دُعائیں

اِمام بغویؒ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے نقل کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دوران حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے مجھ سے کہا کہ: "آیئے مل کر دُعا کریں۔" میں ان کے ساتھ ہولیا، ہم ایک گوشے میں چلے گئے، وہاں میں نے تو یہ دُعا کی کہ: "پروردگار!

جب کل دُشمن سے ہماری جنگ شروع ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرایئے جو بڑا طاقتور اور ہٹا کٹا ہو، میں اس سے خالص آپ کی خوشنودی کی خاطر لڑوں اور پھر آپ مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں۔" حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس دُعا پر آمین کہی، پھر خود ان کی دُعا کی باری تھی، اب انہوں نے ان الفاظ سے دُعا فرمائی: "یا اللہ! مجھے کل کوئی ایسا طاقتور شخص نصیب فرما جس سے میں آپ کی خوشنودی کی خاطر لڑوں یہاں تک کہ وہ مجھے پکڑ کر میرے ناک کان کاٹے اور پھر جب میں قیامت کے دن آپ سے ملوں تو عرض کروں کہ میرے ساتھ یہ سلوک آپ کی اور آپ کے رسول کی راہ میں ہوا ہے، اور آپ جواب میں میری تصدیق فرمائیں۔" حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن جحشؓ کی دُعا میری دُعا سے بہتر تھی، چنانچہ اسی روز جب دن ڈھلا تو میں نے دیکھا کہ ان کی ناک اور کان ایک دھاگے میں لٹکے ہوئے ہیں۔ (الاصابہ ج:۲ ص:۲۷۸)

عبداللہ بن حذافہؓ دُشمن کی قید میں

جوش و ہوش کی نادر مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ رُوم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا جس کے امیر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ تھے، دُشمن نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا، جب یہ مقدس قیدی بادشاہِ رُوم کے پاس لے جائے گئے تو اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو پیشکش کی کہ اگر تم عیسائی بن جاؤ تو میں تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کرلوں گا۔ بے چارہ سمجھتا تھا کہ مال و دولت اور اِقتدار کا لالچ اس صحرانشیں کو ڈگمگادے گا، لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ سامنے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جاں نثار ہے، جس کے فقر و فاقہ پر ایک نہیں، ہزاروں سلطنتیں قربان ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے اس پیشکش کو صاف ٹھکرادیا۔

اس کا صلہ حضرت عبداللہؓ کو وہی ملنا تھا جو دُنیا راہِ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو دیا کرتی ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر چڑھا کر تیر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوجائیں۔ سپاہیوں نے انہیں سولی پر چڑھادیا، کمانوں کے چلّے

ان کا جسم چھلنی کرنے کے لئے تیار تھے، موت سامنے رقص کر رہی تھی، لیکن بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس بندۂ خدامست کے چہرے پر گھبراہٹ، پریشانی یا خوف و ہراس کا دُور دُور پتہ نہیں۔ موت سے آنکھیں ملا کر ایسے مسکرانے والے اس بادشاہ نے کب اور کہاں دیکھے تھے؟ لیکن اس نے سوچا کہ انہیں قتل کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے یہ نڈر اِنسان بھی گھبرا اُٹھے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ انہیں سولی سے اُتار کر لایا جائے اور ایک دیگ میں پانی ڈال کر اسے جوش دیا جائے۔

جب دیگ کھولنے لگی تو حضرت عبداللہؓ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک قیدی کو لا کر ان کے سامنے دیگ میں ڈال دیا گیا، حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ اس دیگ میں گرتے ہی ان کی ہڈیوں سے گوشت اُتر گیا اور ہڈیاں چمکنے لگیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تم نے عیسائی مذہب اختیار نہ کیا تو یہی انجام تمہارا بھی ہونا ہے، لیکن یہ ہولناک منظر بھی حضرت عبداللہؓ کے پائے اِستقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکا، ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ اس کھولتی ہوئی دیگ میں گر کر جھلس جانا مجھے گوارا ہے، مگر اِسلام کو چھوڑنا گوارا نہیں۔

چنانچہ سپاہی انہیں بھی دیگ میں ڈالنے کے لئے لے چلے، مگر یہاں ایک عجیب منظر نظر آیا، وہی عبداللہ بن حذافہؓ جو تختۂ دار پر بھی مسکراتے نظر آتے تھے، اب دیگ کے قریب پہنچ کر ان کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے، بادشاہ سمجھا کہ یہ میری فتح ہے، اس نے فوراً انہیں واپس بلایا اور ان سے رونے کا سبب پوچھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے جواب دیا:

''رونے کی وجہ یہ ہے کہ کاش! میری سو جانیں ہوتیں، اور ہر جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں یہ معاملہ کیا جاتا۔''

بادشاہ یہ سن کر حیران رہ گیا، ایک انتہائی اذیت ناک موت کے منہ میں جانے والے کسی شخص سے اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی، بالآخر اس نے شاید یہ سوچا ہو کہ ایسے شخص کی سزا اسے مارنا نہیں، زندہ رکھنا ہے، اس لئے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''اچھا! تم میرے سر کو بوسہ دے دو تو میں تمہیں چھوڑ دُوں گا!''

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ''اگر اس کے عوض صرف مجھے نہیں، بلکہ میرے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دو تو مجھے منظور ہے۔''

بادشاہ نے کہا: ''ٹھیک ہے، میں تمہارے تمام ساتھیوں کو رہا کردوں گا۔''

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ آگے بڑھے، اس کے سر کو بوسہ دیا اور تمام ساتھیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے۔

جب یہ مقدس قافلہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ سنا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو بوسہ دیا کہ انہوں نے کیسے جوشِ ایمانی اور کیسے فراست وحکمت سے اپنے لشکر کی قیادت فرمائی، اور کس معجزانہ طور پر انہیں واپس لے آئے۔

(الإصابة للحافظ ابن حجرؒ ج:۲ ص:۲۸۸، بحوالہ بیہقی وابن عساکر)

اللہ تک پہنچنے کا راستہ

حضرت ابویزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا اور پوچھا:

''یا اللہ! آپ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟''

جواب ملا: ''اُتْرُکْ نَفْسَکَ وَتَعَالَ!'' (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ)۔

(الإعتصام للشاطبیؒ ج:۱ ص:۳۵۲، مطبعة المنار، مصر ۱۳۳۱ھ)

خوابوں کی حقیقت

شریک بن عبداللہؒ خلیفہ مہدی کے زمانے میں قاضی تھے، ایک مرتبہ وہ مہدی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قتل کروانے کا اِرادہ ظاہر کیا، قاضی صاحب نے پوچھا:

''امیر المؤمنین! کیوں؟''

مہدی نے کہا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم میرا بستر روندرہے ہو اور مجھ سے منہ موڑے ہوئے ہو، میں نے یہ خواب ایک معبّر کے سامنے پیش کیا تو اس

نے یہ تعبیر دی کہ قاضی شریک ظاہر میں تو آپ کی اطاعت کرتے ہیں لیکن اندر اندر آپ کے نافرمان ہیں۔"

قاضی شریک نے جواب دیا: "خدا کی قسم امیرالمؤمنین! نہ آپ کا خواب ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے اور نہ آپ کا تعبیر دینے والا یوسف علیہ السلام ہے، تو کیا آپ جھوٹے خوابوں کے بل پر مسلمانوں کی گردنیں اُتارنا چاہتے ہیں؟"

مہدی یہ سن کر جھینپ گیا، اور قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

(الاعتصام ج:۱ ص:۳۵۳)

جسے اللہ رکھے!

عمرو بن یحییٰ علویؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک قافلے کے ساتھ کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ راستے میں ہمارے ایک ساتھی کو استسقاء کی بیماری ہوگئی، اسی سفر کے دوران کچھ عرب ڈاکو ہمارے قافلے میں سے اُونٹوں کی ایک قطار چرا کر لے گئے۔ اتفاق سے وہ بیمار شخص اسی قطار میں شامل تھا، اس لئے وہ بھی ہم سے بچھڑ گیا۔ اس کے کافی دنوں بعد جب ہم واپس کوفہ پہنچے تو وہی شخص ہمیں وہاں پوری طرح صحت مند نظر آیا، ہم نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ قبائلی لوگ مجھے اپنی بستی میں لے گئے، جو وہاں سے چند کوس کے فاصلے پر تھی، اور مجھے انہوں نے اپنے گھروں کے قریب لے جا کر ڈال دیا، میں اس کرب ناک زندگی سے عاجز آ کر موت کی تمنا کر رہا تھا، اتنے میں ایک دن میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بہت سے اژدہے شکار کر کے لائے ہیں، اور ان کے سر اور دُم کاٹ کر انہیں بھون رہے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ یہ لوگ اژدہے کے کھانے کے عادی معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر میں کھالوں تو مر جاؤں، ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اگر میں مر گیا تو اس المناک زندگی سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ میں نے ان سے وہ بھنا ہوا اژدھا کھانے کو مانگا، انہوں نے میری طرف پھینک دیا، میں اسے کھا گیا، اس کا کھانا تھا کہ مجھے زبردست نیند آئی۔ اور جب میں بیدار ہوا تو پسینے سے شرابور تھا اور شدید متلی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے سو سے بھی زائد مرتبہ

اُبکائیاں آئیں، یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوتے میرا پھولا ہوا پیٹ پچک گیا، پھر میں نے ان لوگوں سے کوئی کھانے کی چیز مانگی اور چند روز میں بالکل شفایاب ہوگیا۔

(حیاۃ الحیوان ج:۱ ص:۳۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک خط

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک گورنر کو خط میں لکھا:

أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ اَمْكَنَتْكَ الْقُدْرَةُ مِنْ ظُلْمِ الْعِبَادِ، فَإِذَا هَمَمْتَ بِظُلْمِ أَحَدٍ فَاذْكُرْ قُدْرَةَ اللهِ عَلَيْكَ وَاعْلَمْ اَنَّكَ لَا تَأْتِيْ إِلَى النَّاسِ شَيْئًا إِلَّا كَانَ زَائِلًا عَنْهُمْ بَاقِيًا عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّ اللهَ تَعَالٰى أَخَذَ لِلْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ. وَالسَّلَامُ.

(إحیاء العلوم للغزالیؒ، بحث توبہ ج:۴ ص:۵۰)

ترجمہ:- حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ تمہیں بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے، لیکن جب بھی کسی شخص پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے! اور یہ یاد رکھو کہ تم عام لوگوں پر جو آفت بھی مسلط کروگے وہ ان سے تو ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی، لیکن تمہارے اعمال نامے میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا، والسلام۔

قرآنِ کریم کی تعلیم

اِمام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ مشہور تابعی ہیں، اور اگرچہ وہ تفسیر، حدیث اور دُوسرے علومِ دینیہ میں بڑے اُونچے مرتبے کے حامل تھے، لیکن انہوں نے ساری عمر کوفہ کی جامع مسجد کے اندر قرآنِ کریم پڑھانے پر گزاری، اور چالیس سال تک لوگوں کو قرآنِ کریم (حفظ و ناظرہ اور تجوید و قراءت) پڑھاتے رہے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تھا کہ:

"خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ" تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔ فرمایا کہ اس حدیث نے مجھے یہاں بٹھا رکھا ہے۔

(النشر فی القراءات العشر لابن الجزریؒ ج:۱ ص:۳، مطبوعہ دمشق ۱۳۴۵ھ)

علامہ شاطبیؒ بنام امیر عزالدین

امیر عزالدین موسک وہ امیر ہیں جن کی دربانی کی وجہ سے علامہ ابنِ حاجبؒ کے والد کا لقب (حاجب) مشہور ہوا۔ ایک مرتبہ انہوں نے قراءت کے مشہور امام علامہ شاطبیؒ کو اپنے پاس بلوانے کے لئے پیغام بھیجا، علامہ شاطبیؒ اس وقت اپنے شاگردوں کے حلقے میں تشریف فرماتھے، آپ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ امیر کے نام میری طرف سے جواب میں لکھ دو کہ:-

قُلْ لِلْاَمِیْرِ مَقَالَةً مِنْ نَاصِحٍ فَطِنٍ نَبِیْهٖ

اِنَّ الْفَقِیْهَ اِذَا اَتٰی اَبْوَابَکُمْ، لَا خَیْرَ فِیْهٖ

یعنی: "امیر سے جا کر ایک بیدار مغز، ہوشمند اور خیرخواہ اِنسان کا یہ پیغام پہنچادو کہ جب کوئی فقیہ تمہارے دروازوں پر جانے لگے تو اس میں کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔" (التاج المکلل، نواب صدیق حسن خان مرحوم ص:۹۸)

دِل کی دوائیں

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام میں بڑے اُونچے مرتبے کے بزرگ ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دِل کی دوائیں پانچ ہیں: ۱-قرآنِ کریم کو تدبر کے ساتھ پڑھنا، ۲-خالی پیٹ رہنا، ۳-رات کو تہجد پڑھنا، ۴-سحری کے وقت اللہ کے حضور گڑگڑانا، اور ۵-صالحین کی صحبت اِختیار کرنا۔ (تحبیب المسلمین بکلام ربّ العالمین، کمال الدین الادہمیؒ ص:۱۴، مطبعۃ محمودیۃ مصر ۱۳۵۸ھ)

اِمام ابویوسفؒ کے آخری لمحات

ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں کہ میں اِمام ابویوسفؒ کے مرضِ وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے، تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں

کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں، مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوال کیا:

''ابراہیم! بتایئے، حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رَمی کرے یا سوار ہوکر؟''

میں نے عرض کیا: ''پیدل کرنا افضل ہے۔''

اِمام ابویوسفؒ نے فرمایا: ''یہ دُرست نہیں!''

''پھر سوار ہوکر رَمی کرنا افضل ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''نہیں!'' اِمام ابویوسفؒ نے جواب دیا ''یہ بھی دُرست نہیں۔''

پھر خود ہی فرمایا: ''جس رَمی کے بعد کوئی اور رَمی کرنی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے، اور جس کے بعد کوئی اور رَمی نہ ہو، اسے سوار ہوکر کرنا افضل ہے۔''

ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ابویوسفؒ ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں؟ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اُٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی، معلوم ہوا کہ اِمام ابویوسفؒ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔

(معارف السنن لمولانا البنوری مد ظلہم ج:۶ ص:۴۷۴، ۴۷۵ بحوالہ البحر الرائق وفتح القدیر)

حضرت کعب بن زہیرؓ کی چادر

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو فتحِ مکہ کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور کفر کی حالت میں ان سے اہلِ اسلام کو بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، فتحِ مکہ کے بعد اِسلام تو ان کے دِل میں گھر کرگیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے شرماتے تھے۔ پھر لوگوں نے انہیں تسلی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر معافی مانگو گے تو آپ ضرور معاف فرمادیں گے۔ اس پر انہوں نے حاضری کا اِرادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے کہ:۔

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِیْ الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ
مُتَیَّمٌ إِثْرَهَا، لَمْ یُفْدَ مَکْبُوْلُ

یہ قصیدہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر خود آپ کو سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کی تمام پچھلی خطائیں معاف کیں بلکہ اپنی ایک چادر مبارک بھی انہیں اِنعام کے طور پر عطا فرمائی۔ اسی لئے اس قصیدے کو "قصیدۃ البردۃ" (چادر والا قصیدہ) کہتے ہیں، (علامہ بوصیریؒ کا ایک اور قصیدہ بھی قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی وجہ دوسری ہے)۔

بہرکیف! یہ چادر جو حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطورِ اِنعام ملی تھی، آخر دم تک حضرت کعبؓ کے پاس محفوظ رہی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت کعبؓ سے یہ چادر خریدنی چاہی اور دس ہزار دِرہم کی پیشکش کی، لیکن کعبؓ نے فرمایا کہ: "میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کپڑے کے مقابلے میں کسی قیمت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔" پھر جب حضرت کعبؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت معاویہؓ نے ان کے وارثوں سے چالیس ہزار دِرہم میں خرید لی، حضرت معاویہؓ کے بعد یہ چادر بنواُمیہ کے خلفاء میں بطورِ میراث منتقل ہوتی رہی۔ بنوعباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے اسے بنواُمیہ سے تین سو دِینار میں خریدا اور پھر بنوعباس کے خلفاء میں محفوظ رہی، یہاں تک کہ جب تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد تباہ ہوا تو یہ چادر بھی تاتاری لے گئے۔

(معارف السنن ج:۶ ص:۵۱۳ بحوالہ سیرت حلبیہ وابن کثیر)

خواب میں تلاوتِ قرآن کی تعبیریں

علامہ کمال الدین ادمیؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآن شریف ناظرہ پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے عزّت، فتح مندی اور خوشیاں حاصل ہوں گی۔ اور اگر حافظے سے تلاوت کرتا ہوا دیکھے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا کسی شخص سے عدالتی تنازعہ ہوگا اور اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ نیز اس بات کی

علامت ہے کہ وہ شخص امانت دار ہوگا، رقیق القلب مؤمن ہوگا، لوگوں کو نیکیوں کا حکم دے گا اور بُرائیوں سے روکے گا۔ اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور اس کے معنی بھی سمجھ رہا ہے تو یہ اس کی سلامتِ عقل کی دلیل ہے، اور جو شخص قرآنِ کریم ختم کرتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے دِل کی کوئی مراد حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑا ثواب ملے گا، اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے قرآنِ کریم حفظ کرلیا ہے (جبکہ پہلے یاد نہیں تھا) تو اسے اپنے حالات کے مطابق کوئی اِقتدار نصیب ہوگا، اور اگر کوئی شخص اپنے آپ کو قرآنِ کریم پڑھتے ہوئے دیکھے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ کون سی سورت یا کون سی آیت پڑھ رہا ہے تو اگر وہ بیمار ہے تو اِن شاء اللہ اسے شفا نصیب ہوگی، اور اگر وہ تاجر ہے تو اسے تجارت میں فائدہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ کسی اور سے قرآنِ کریم سن رہا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا اِقتدار (حسبِ حال) مضبوط ہوگا، خاتمہ بہتر ہوگا اور وہ مکاروں کی سازشوں سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے اور لوگ سن رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی ایسے منصب پر فائز ہوگا جس میں اس کے اَحکام کی تعمیل کی جائے گی اور اگر کوئی شخص خواب میں قرآنِ کریم کو بگاڑ کر یا اس میں خلل واقع کر کے تلاوت کرتا ہوا دیکھے تو یہ اس کی بدحالی کی علامت ہوگا۔

(تحبیب المسلمین بکلام رَبّ العالمین ص:۲۷ و ۲۸، تعبیر المنام للشیخ عبدالغنی النابلسیؒ)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے بعض عجیب واقعات

۱- حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ: بہاولپور کے مقدمے میں قادیانیوں کے ساتھ جو مشہور مناظرہ ہوا، اس میں قادیانی شاہد نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارا دِین متواتر ہے اور تواتر کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے، لہٰذا آپ کو چاہئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ

دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مُسلّم الثبوت میں علامہ بحرالعلومؒ نے لکھا ہے کہ اِمام رازیؒ نے تواترِ معنوی کا اِنکار کیا ہے۔

مولانا انوریؒ فرماتے ہیں کہ: اتفاق سے اس وقت ہمارے پاس وہ کتاب نہیں تھی، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے برجستہ فرمایا:

''جج صاحب لکھئے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے، اِمام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے: "لا تجتمع اُمّتی علی الضلالة" یہ حدیث تواترِ معنوی کے رُتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے تواترِ معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواترِ معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے، ان سے کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، بعینہٖ وہی عبارت نکلی جو حضرتؒ نے پہلے حفظ سنائی تھی۔ جج خوشی سے اُچھل پڑا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں، میں چونکہ طالبِ علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں اِن شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

(انوارِ انوری، مؤلفہ: مولانا محمد انوری صاحبؒ ص:۳۱، ۳۲، مطبوعہ لائل پور ۱۳۸۷ھ)

۲- حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں دو[1] سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا، ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے، ایک کہتا تھا کہ عذاب رُوح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دُوسرا کہتا تھا کہ عذاب رُوح ہی کو ہوگا۔ جو کہتا تھا کہ عذاب رُوح اور بدن دونوں کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا اور دُوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے، لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا، نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا، آخر یہ فیصلہ ہوا

(۱) مولانا محمد انوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی عمر لکھی ہے، لیکن یہ بہت بعید معلوم ہوتی ہے، ممکن ہے روایت یا کتابت میں کوئی سہو ہوا ہو۔ بہرحال واقعہ بچپن کی بہت چھوٹی عمر ہی کا ہے۔ م ت ع۔

کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اُٹھالے اور لنگڑا پھل توڑے، اتنے میں اگر باغبان آگیا تو وہ دونوں کو ہی گرفتار کرے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے اس شخص کی یہ بات سن لی، پھر ایک زمانہ دراز گزرا، میں تذکرۃ القرطبیؒ دیکھ رہا تھا، اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تھی، میں اس کو پڑھ کر اُس اَن پڑھ کی فطرتِ سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیا صحیح جواب دیا! (انوار انوری ص:۳۴)

۳- ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جارہے تھے، بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے، وہاں ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ: ''آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالمِ دین ہیں۔'' فرمایا: ''نہیں! میں ایک طالبِ علم ہوں۔'' اس نے کہا کہ: ''آپ کو اِسلام کے متعلق علم ہے؟'' فرمایا: ''کچھ کچھ!'' پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ: ''تم غلط سمجھے ہو، اس کی یہ شکل نہیں ہے۔'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر چالیس دلائل دیئے، دس قرآن سے، دس تورات سے، دس اِنجیل سے اور دس عقلی۔ (ایضاً ص:۳۶)

۴- حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ سنایا کہ علامہ ابنِ جریر طبریؒ درسِ حدیث دے رہے تھے، کوئی رئیس آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا۔ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا۔ تھیلی پھٹ کر دینار اِدھر اُدھر بکھر گئے، اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا۔ حضرت ابنِ جریرؒ نے فرمایا: ''جب تم نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اَب تم جمع کس لئے کرتے ہو؟ اب تو یہ تمہاری ملکیت نہیں رہی۔'' (ایضاً ص:۶۱)

حضرت بقی بن مخلدؒ ایک مستجاب الدعوات بزرگ

حضرت بقی بن مخلدؒ (متوفی ۲۷۶ھ) اندلس کے مشہور محدثین میں سے ہیں، حدیث میں ان کی مسند اہلِ علم میں معروف ہے۔ یہ بلند پایہ محدّث ہونے کے علاوہ نہایت عابد وزاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت

آئی اور کہنے لگی کہ: ''میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کر رکھا ہے، اس کی وجہ سے میری راتوں کی نیند حرام ہے، میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے، میں چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کر دوں اور اسے قید سے چھڑا لوں، آپ کسی سے فرمادیجئے کہ وہ میرا گھر خرید لے، اس لئے کہ میرے دِل کا سکون اور راتوں کا چین رُخصت ہو چکا ہے۔''

حضرت بقیؒ بن مخلدؒ نے اس کی فریاد سنی تو اس سے کہا کہ: ''تم جاؤ، میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس کی رہائی کے لئے دُعا کرتے رہے، اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی عورت پھر واپس آئی، اس مرتبہ اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا، وہ کہنے لگی:

''اس سے سنئے کہ اس کے ساتھ کیا عجیب واقعہ پیش آیا'' حضرت بقیؒ نے واقعہ پوچھا، کہنے لگا: ''مجھے بادشاہ افرنگ کے ان قیدیوں میں شامل کر دیا گیا تھا جو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن میں اپنی مفوضہ خدمت انجام دینے کے لئے جا رہا تھا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی، اچانک چلتے چلتے زنجیر پاؤں سے گر پڑی، مجھ پر جو سپاہی متعین تھا وہ مجھے گالیاں دینے لگا کہ پاؤں سے زنجیر کیوں نکالی؟ میں نے کہا کہ: خدا کی قسم! مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ زنجیر میرے پاؤں سے کیسے نکلی ہے؟ اس پر انہوں نے لوہار کو بلا کر دوبارہ میرے پاؤں میں پہنادی، اور اس مرتبہ اس کی میخیں خوب اچھی طرح مضبوط گاڑ دی گئیں، لیکن اس کے فوراً بعد میں اُٹھ کر چلنے لگا تو زنجیر پھر گر پڑی، انہوں نے پھر اسے باندھا لیکن پھر چلا تو پھر گر گئی۔

وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور اپنے راہبوں سے اس کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے کہا کہ کیا اس کی ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دُعا کی ہے اور اس کی دُعا قبول ہوگئی ہے۔ پھر راہبوں نے متعلقہ لوگوں کو مشورہ دیا کہ اب اسے چھوڑ دیا جائے، چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں بلادِ اسلام میں پہنچ گیا۔''

حضرت بقیؒ بن مخلدؒ نے زنجیر گرنے کا وقت پوچھا تو یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب

وہ اس کی رہائی کے لئے دُعا کر رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۵۷)

بایزید بسطامیؒ کا ایک مقولہ

حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی ۲۶۱ھ) مشہور صوفیاء میں سے ہیں، ان کا مقولہ ہے کہ:

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اعلیٰ درجے کی کرامتوں کا مظاہرہ کر کے ہوا میں اُڑ رہا ہے تب بھی اس کے دھوکے میں نہ آؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اَحکامِ شریعت اور حفظِ حدود کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے؟'' (ایضاً ج:۱۱ ص:۳۵)

ایک نصرانی کا کلمۂ حکمت

علامہ سیّد رشید رضا مصری مرحوم لکھتے ہیں کہ طرابلس شام میں عیسائیوں کے ایک مقتدر رہنما سکندر کاستفلیس تھے، وہ وہاں رُوس اور جرمنی دونوں کے قونصل کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ میں اس وقت تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اپنے والد کے ایک کام سے ان کے پاس گیا اور اس موقع پر دورانِ گفتگو انہوں نے اسلام اور عیسائیت کے تقابل کے سلسلے میں ایک ایسی بات کہی جو میں کبھی بھول نہیں سکتا، وہ کہنے لگے:

''اسلام کی خوبیاں پہاڑوں کی طرح عظیم پایہ بلند مرتبہ اور مستحکم ہیں، لیکن تم لوگوں نے انہیں اس طرح دفن کر رکھا ہے کہ نہ وہ کسی کو نظر آتی ہیں، نہ ان کا پتہ چلتا ہے، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنے دِین عیسائیت کی خوبیاں نہایت تھوڑی اور وہ بھی بہت مدہم ہیں، لیکن ہم نے انہیں ''مسیحیت کے فضائل'' کے نام سے پھیلا پھیلا کر دُنیا بھردی ہے۔'' (الوحی المحمدی: سیّد رشید رضا ص:۱۷۰، مطبعۃ المنار مصر ۱۳۵۴ھ)

حضراتِ حسنینؓ کا اندازِ تبلیغ

علامہ کردریؒ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ دریائے فرات کے کنارے ایک بوڑھے دیہاتی کو دیکھا کہ اس نے بڑی جلدی جلدی وضو کیا، اور اسی طرح نماز پڑھی، اور جلدبازی میں وضو اور نماز کے مسنون طریقوں پر کوتاہی ہوگئی۔

حضرات حسنینؓ اُسے سمجھانا چاہتے تھے، لیکن اندیشہ یہ ہوا کہ یہ عمر رسیدہ آدمی ہے اور اپنی غلطی سن کر کہیں مشتعل نہ ہو جائے۔ چنانچہ دونوں حضرات اس کے قریب پہنچے اور کہا کہ: ''ہم دونوں جوان ہیں، اور آپ تجربہ کار آدمی ہیں، آپ وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہوں گے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو وضو کرکے اور نماز پڑھ کر دکھائیں، اگر ہمارے طریقے میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو بتا دیجئے گا۔'' اس کے بعد انہوں نے سنت کے مطابق وضو کرکے نماز پڑھی، بوڑھے نے دیکھا تو اپنی کوتاہی سے توبہ کی اور آئندہ یہ طریقہ چھوڑ دیا۔

(مناقب الامام الاعظم للکردریؒ ج:۱ ص:۳۹، ۴۰، طبع دائرۃ المعارف، دکن ۱۳۲۲ھ)

خلیفہ منصور کی خواہش

خلیفہ منصور دولتِ عباسیہ کے مشہور خلفاء میں سے ہے، اس کی حدودِ سلطنت انتہائی وسیع تھیں اور ہر طرح کا عیش و آرام میسر تھا۔ حافظ ابنِ عساکرؒ محمد بن سلام جمحیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز کسی نے اس سے پوچھا: ''امیر المؤمنین! کیا دُنیا کی لذتوں میں سے کوئی لذت ایسی باقی ہے جو آپ کو حاصل نہ ہوئی ہو، اور آپ کو اس کی خواہش ہو؟''

منصور نے سوچ کر جواب دیا: ''ہاں! ایک آرزو اب بھی میرے دل میں باقی ہے، اور وہ یہ کہ میں کسی بڑے حجرے میں بیٹھا ہوں، میرے اِردگرد علمِ حدیث کے طلباء ہوں، اور مجھ سے سن سن کر اَحادیث قلم بند کر رہے ہوں، اور کوئی مجھ سے پوچھے کہ: ''ابھی آپ نے کونسے راوی کا نام لیا تھا؟'' اور میں جواب میں کہوں کہ: ''حدثنا فلان قال حدثنا فلان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

یہ ایک خلیفہ اور ملک کے سب سے زیادہ بااِقتدار اِنسان کی خواہش تھی، اور خواہش بھی ایسی نہ تھی جسے خلیفہ کے چشم و اَبرو پر نگاہ رکھنے والے پوری نہ کرسکتے، چنانچہ اگلے دن صبح کو خلیفہ کے مصاحبین، وزراء کے بیٹے اور درباری قسم کے لوگ قلم دوات اور کاغذوں کے تختے لے کر خلیفہ کے پاس پہنچ گئے، اور درخواست کی کہ آپ

احادیث سنائیں، ہم لکھیں گے۔ خلیفہ علم حدیث سے اتنا ناواقف نہیں تھا کہ انہیں چند احادیث سند کے ساتھ نہ لکھوا سکے، لیکن جب اپنے مصاحبوں کو قلم دوات اور کاغذ لئے دیکھا تو اس نے مسکرا کر کہا:

''تم کہاں اور علم حدیث کے طلباء کہاں؟ ارے علم حدیث کے طالبِ علم تو وہ ہوتے ہیں جن کے کپڑے انہماک کی وجہ سے میلے ہوگئے ہوں، جن کے پاؤں پیدل چلتے چلتے پھٹ گئے ہوں، جن کے بال عدیم الفرصتی کی وجہ سے بڑھ گئے ہوں، اور جنھوں نے سفر کر کر کے چاروں اُفق چھان مارے ہوں۔''

(تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ، ترجمہ ابی جعفر المنصور ص:۱۷۷)

اِمام شاذکونیؒ کی مغفرت

حافظ شمس الدین سخاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مشہور محدّث اِمام ابو ایوب سلیمان بن داؤد شاذکونیؒ (متوفی ۲۳۴ھ) کو کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' انہوں نے جواب دیا کہ: ''اللہ نے میری مغفرت فرمادی!'' پوچھا کہ: ''کس عمل کی بنا پر؟'' انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: ''ایک روز میں اصفہان جارہا تھا، راستے میں زور کی بارش شروع ہوئی، مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ میرے ساتھ کچھ کتابیں ہیں، اگر وہ ضائع ہوگئیں تو میری ساری پونجی لُٹ جائے گی، قریب میں کوئی ایسا سائبان یا چھت نہ تھی جس کے نیچے پناہ لی جاسکے، چنانچہ میں نے اپنے جسم کو دُہرا کر کے کتابوں پر سایہ کردیا، تاکہ وہ حتی الامکان بارش سے محفوظ رہیں، بارش ساری رات جاری رہی اور میں ساری رات اسی حالت میں بیٹھا رہا، صبح کے وقت بارش رُکی اور میں سیدھا ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی۔'' (صفحات من صبر العلماء علیٰ شدائد التحصیل، للشیخ عبدالفتاح ابی غُدّۃ ص:۷۶، بحوالہ فتح المغیث للسخاویؒ ص:۱۵۷)

ایک قدیم سندھی عالم کا کلمۂ حکمت

اِمام ابونصر فتح بن عبداللہ سندھیؒ دُوسری صدی ہجری کے اُن علماء میں سے

ہیں جو سندھی نژاد تھے، اور سندھ میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد مشرف باسلام ہوئے تھے، اور مسلمان ہونے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام کے مُسلَّم عالم مانے گئے، علامہ سمعانیؒ نے ان کا یہ واقعہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

عبداللہ بن حسین کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ساتھ ڈھول اور کیچڑ میں اٹی ہوئی زمین پر چلے جارہے تھے، اُن کے بہت سے معتقدین بھی ساتھ تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک عرب شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کیچڑ میں لت پت پڑا ہے، اس نے ہماری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو ابونصرؒ نے منہ قریب کر کے اس کو سونگھا، اس کے منہ سے شراب کی بدبو آرہی تھی۔ شہزادے نے ابونصرؒ سے کہا:

''او غلام! میں جس حالت میں پڑا ہوں تم دیکھ رہے ہو، لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جارہے ہو، اور اتنے سارے لوگ تمہارے پیچھے پیچھے ہیں؟'' ابونصرؒ نے بے باکی سے جواب دیا:

''شہزادے! جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے آباء و اجداد (صحابہؓ و تابعینؒ) کی پیروی شروع کردی ہے، اور تم میرے آباء و اجداد (کافروں کے) نقشِ قدم پر چل پڑے ہو۔'' (الأنساب للسمعانیؒ ورق:۳۱۳، ومعجم البلدان ج:۳ ص:۲۶۷، مأخوذ از فقہائے ہند، مرتبہ: محمد اسحاق بھٹی ج:۱ ص:۸۰ و ۸۱)

مولائے اسلام دیبلیؒ راجہ داہر کے دربار میں

محمد بن قاسمؒ ۹۳ھ میں سندھ آئے، اور ان سے ملاقات کرتے ہی بعض لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے، ان میں سے ایک صاحب مولائے اسلام تھے، جن کو تاریخ میں ''مولائے اسلامی''، ''مولائے دیبلی'' اور ''مولائے اسلام دیبلی'' کے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ محمد بن قاسمؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، نہایت ذہین اور سمجھ دار تھے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے، اور راجہ داہر کے سرکاری حلقوں میں معروف۔ انہوں نے اسلامی تعلیم بہت جلد حاصل کرلی جس کی وجہ سے محمد بن قاسمؒ کے نزدیک بھی قابلِ اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی انہوں نے بہت

تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ چچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد بن قاسمؒ نے وادئ سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے داہر کے پاس بھیجا اور ترجمان کے طور پر ''مولائے اسلام'' کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ راجہ داہر کے پاس پہنچے تو مروّجہ درباری آداب بجالائے بغیر اور راجہ کو سر جھکا کر سلام کئے بغیر بیٹھ گئے۔

راجہ داہر مولائے اسلام کو جانتا تھا، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، چنانچہ اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا:

''تم نے درباری قواعد و آداب کیوں پورے نہیں کئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کسی نے اس سے زبردستی روک دیا ہے؟''

مولائے اسلام نے جواب دیا: ''میں اس وقت تمہارے مذہب میں داخل تھا، لہٰذا درباری نوعیت کے آدابِ نیاز و بندگی پر عمل کرنا مجھ پر واجب تھا، لیکن اب میں اسلام کی عزت حاصل کر چکا ہوں اور میرا تعلق بادشاہِ اسلام سے قائم ہو چکا ہے، اب کسی کافر کے آگے سر جھکانا میرے لئے ضروری نہیں۔''

راجہ داہر کو اس جواب کی توقع نہ تھی، وہ غضب ناک ہو کر بولا:

''اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے اتنی سزا دیتا کہ لوگ تجھے موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔''

مولائے اسلام نے اطمینان سے جواب دیا: ''اگر تو مجھے قتل بھی کرا دے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔''

(چچ نامہ ص:۱۳۶ و ۱۳۷، ماخوذ از فقہائے ہند ج:۱ ص:۶۳ تا ۶۵)

ہندوستان آنے والے صحابہؓ

کتبِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے پچیس صحابہ کرامؓ تشریف لائے ہیں، بارہ حضرت عمرؓ کے عہد میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں، تین حضرت علیؓ کے زمانے میں، چار حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت میں، اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانے میں۔ ان میں مُخضر مین[1] بھی ہیں اور مدرکین بھی، مُخضر مین سے مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا اور زمانۂ اسلام بھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے، اور مدرکین وہ ہیں جنھوں نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو، لیکن زیارت نہ کی ہو۔

(ماخوذ از فقہائے ہند ج:١ ص:١٠١،١٠)

سندھ کے ایک گمنام عالم اور مفسر

ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجیدی کہتے ہیں کہ میں ٢٨٨ھ میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں مقیم تھا کہ وہاں کے بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ ٢٧٠ھ میں عبداللہ بن عمر ہباری سندھ کا والی مقرر ہوا، اس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ ٢٧٠ھ ہی میں سندھ کے ایک شہر اَرور (غالباً یہ روہڑی کا قدیم نام ہے) کے ہندو راجہ نے (جس کا نام مہروک ابن راتک تھا) منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی زبان میں مذہبِ اسلام کی بنیادی تعلیم سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا، اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے سامنے راجہ کی خواہش بیان کی۔ چنانچہ اس عالم نے ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں تمام اسلامی تعلیمات بیان کیں۔ عبداللہ نے یہ قصیدہ راجہ مہروک کے پاس بھیج دیا۔ راجہ نے یہ قصیدہ سنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے اس شاعر اور عالم کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی، عبداللہ نے اس کو بھیج دیا، وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور اس اثناء میں

(١) واضح رہے کہ "مُخضر مین" اصل میں صحابہ نہیں، تاہم ان کو توسعاً اور طرداللباب صحابہ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

راجہ اس سے بہت خوش رہا۔

۲۷۰ھ میں وہ عالم والیٔ سندھ عبداللہ سے ملا، عبداللہ نے اس سے راجہ کے متعلق کچھ سوالات کیے تو اس نے بتایا کہ جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں، اس وقت وہ صدقِ دِل سے اسلام قبول کر چکا تھا لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس عالم نے راجہ سے متعلق بہت سے واقعات بیان کیے اور بتایا کہ راجہ نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی، وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر کرکے اس کو سناتا جاتا۔ جب وہ سورۂ یٰسین کی اس آیت پر پہنچا: "مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ" (یعنی وہ کافر کہتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا) اور اس کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی تو راجہ اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، اس نے کہا: "ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو" چنانچہ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی تو وہ فوراً تخت سے نیچے اُترا اور چند قدم چل کر پیشانی زمین پر رکھ دی، حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ بہت تر ہوچکی تھی۔ راجہ اس قدر رویا کہ اس کے رُخساروں پر مٹی جم گئی، پھر اس نے سر اُٹھایا اور کہا: "بے شک یہی رَبّ ہے جو اَزلی اور ابدی ہے" اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا، جہاں وہ تنہائی میں روزانہ خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا، مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ (عجائب الہند، بزرگ بن شہریار (مع فرانسیسی ترجمہ) ص:۲ تا ۴، طبع ۱۸۸۶، منقول از فقہائے ہند، محمد اسحاق بھٹی ص:۸۹ تا ۹۱)

محمود غزنویؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

سلطان محمود غزنویؒ خراسان گئے تو وہاں کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا، لیکن اس شوقِ ملاقات کے ساتھ ساتھ انہیں یہ خیال آیا کہ میں خراسان میں شیخ خرقانیؒ کی ملاقات کی غرض سے نہیں آیا۔ لہٰذا (ضمنی طور سے) اُن کی زیارت کو جانا سوءِ اَدب ہے، ان سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے ایک عرصے بعد غزنی سے صرف شیخؒ ہی کی زیارت کی غرض سے وہ خرقان آئے اور ایک شخص

کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بادشاہ ملاقات کے لئے غزنی سے آیا ہے اور تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائیں، اور بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ اس کے بعد قاصد سے کہا کہ: شیخ باہر آنے سے انکار کریں تو انہیں یہ فرمانِ خداوندی سنا دینا کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم اللہ کی اِطاعت کرو اور رسول کی اِطاعت کرو اور اپنے ذمہ دارانِ اُمور کی اِطاعت کرو۔

قاصد نے شیخؒ کی خدمت میں سلطان کا پیغام پہنچایا، مگر شیخؒ نے خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کردیا اور بادشاہ کے ساتھ ملاقات کرنے سے معذرت چاہی۔ اس قاصد نے سلطان کی ہدایت کے مطابق مذکورہ بالا آیتِ کریمہ پڑھ کر سنائی، جواب میں شیخؒ نے فرمایا:

"معذور دار بہ محمود بگو کہ در "اَطِیْعُوا اللّٰهَ" چناں مستغرقم کہ از "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" خجالت می برم و بہ "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" نہ پردازم۔"

مجھے معذور سمجھو اور محمود سے کہو کہ اب تک میں اطیعوا اللہ پر عمل کرنے میں اتنا محو ہوں کہ (اِطاعتِ رسول کا حق ادا نہیں کر سکا اور) اطیعوا الرسول کے حکم کے معاملے میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں، بھلا ایسی صورت میں اُولوالامر کی اِطاعت کی طرف کیسے متوجہ ہوں۔"

قاصد واپس آگیا اور اس نے شیخؒ کا جواب سلطان کو سنایا تو وہ سن کر رو پڑے، اور کہا کہ: "چلو! یہ ویسا شخص نہیں ہے جیسا ہم گمان کر رہے تھے۔"

اس کے بعد سلطان محمود غزنویؒ اس انداز سے شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے کہ خود تو اپنے غلام ایاز کا لباس زیبِ تن کیا اور اپنا لباس ایاز کو پہنایا، اور دس کنیزوں کو غلاموں کے لباس میں ملبوس کر کے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شیخؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان کو سلام کیا تو شیخؒ نے سلام کا جواب دیا مگر تعظیم کے

لئے کھڑے نہ ہوئے، اور سلطانؒ (جنھوں نے ایاز کا لباس پہن رکھا تھا) کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی، بلکہ ایاز کی طرف ملتفت ہوئے جو سلطان کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس پر سلطانؒ نے (جو ایاز کا لباس پہنے ہوئے تھے) شیخؒ سے کہا: ''اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے، نہ اس کی طرف اِلتفات کیا، کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر اَنداز کر دیا جائے؟'' شیخؒ نے جواب دیا: ''ہاں! جال تو یہی ہے، لیکن تیرا مشارٌ اِلیہ اس جال میں گرفتار نہیں، تو سامنے آ کہ اس جال کا سب سے بڑا شکار تو خود ہے۔''

سلطانؒ نے جب دیکھا کہ اصل حقیقت شیخؒ پر منکشف ہو چکی ہے تو مؤدب ہو کر شیخؒ کے سامنے بیٹھ گئے اور کچھ فرمانے کی درخواست کی۔ شیخؒ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ ان نامحرموں کو اس مجلس سے باہر بھیج دو۔ سلطانؒ نے ان کو باہر جانے کا حکم دیا اور عرض کیا کہ: ''حضرت بایزید بسطامیؒ کا کوئی واقعہ سنایئے۔'' شیخؒ نے کہا: ''بایزیدؒ کا فرمان ہے کہ: جس نے مجھے دیکھ لیا وہ ظلم وستم کی بُرائیوں سے محفوظ ہو گیا۔''

سلطانؒ نے سوال کیا: ''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، کیا بایزیدؒ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے، حضور کو دیکھنے والوں میں سبھی لوگ اچھے نہ تھے، ابوجہل اور ابولہب نے بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، وہ کافر کے کافر ہی رہے، پھر بایزیدؒ کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کیونکر اچھا انسان بن سکتا ہے؟''

شیخؒ نے سلطانؒ کی بات سن کر کہا: محمود! اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کرو، ادب ملحوظ رکھو، اس حقیقت کو خوب جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ کے سوا کسی نے نہیں دیکھا، کیا تم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت نہیں سنی:

وَتَرٰاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ.

ترجمہ:- اور آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

سلطانؒ کو شیخؒ کی یہ بات بہت پسند آئی اور عرض کیا: ''مجھے کوئی نصیحت فرمایئے!''

فرمایا: ''تمہیں چار چیزیں اِختیار کرنا چاہئے: پرہیزگاری، نماز باجماعت، سخاوت اور شفقت۔''

اس کے بعد سلطانؒ نے دُعا کی درخواست کی، فرمایا: ''میں پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دُعا کرتا ہوں: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (یا اللہ! مؤمن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما)۔'' سلطانؒ نے کہا: ''یہ دُعا تو عام ہے، میرے لئے کوئی خاص دُعا کیجئے۔'' فرمایا: ''محمود! جاؤ تمہاری عاقبت محمود ہو۔''

بعد اَزاں سلطانؒ نے اشرفیوں کا ایک توڑا پیش کیا، شیخؒ نے جَو کی روٹی اس کے سامنے رکھی اور اسے کھانے کے لئے کہا۔ سلطانؒ نے لقمہ توڑ کر منہ میں ڈالا تو اِحساس ہوا کہ روٹی بہت سخت ہے، ہر چند اسے چبایا، لیکن روٹی کا ٹکڑا نہ تو دانتوں سے کٹتا تھا اور نہ حلق سے نیچے اُترتا تھا۔ شیخؒ نے پوچھا: ''کیا یہ روٹی تمہارے حلق میں اَٹکتی ہے؟'' سلطانؒ نے اِثبات میں جواب دیا۔ فرمایا: ''جس طرح ہماری یہ جَو کی سوکھی روٹی تمہارے حلق سے نیچے نہیں اُترتی، اسی طرح تمہارا یہ اشرفیوں سے بھرا ہوا توڑا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اُترتا، اس کو ہمارے سامنے سے اُٹھالو، ہم اس کو ترک کرچکے ہیں۔''

سلطانؒ نے بطور یادگار شیخؒ سے کوئی چیز مانگی، تو انہوں نے اپنا خرقہ عنایت فرمایا۔ سلطانؒ جب شیخؒ کی مجلس سے رُخصت ہونے کے لئے اُٹھے تو شیخؒ بھی ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، سلطانؒ نے سوال کیا: ''اس کی کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری کوئی پروا نہ کی، اور اَب جانے لگا ہوں تو اُٹھ کر کھڑے ہوگئے ہیں؟'' ''جب تم میرے پاس آئے تھے تو خدم و حشم تمہارے ساتھ تھے، تم غرورِ بادشاہت میں سرمست تھے اور میرے اِمتحان کی غرض سے آئے تھے، اب تم عاجزی اور اِنکساری کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہو۔''

(تاریخ فرشتہ ج:۱ ص:۶۳ و ۶۴، مطبوعہ بمبئی، منقول از فقہائے ہند ص:۱۰۹ تا ۱۱۳)

مسلمانوں کی خونریزی اور فتنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اُن حضرات میں سے ہیں جو مشاجرات

کے زمانے میں کسی فریق کی موافقت یا مخالفت سے یکسو رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان سے درخواست کی گئی کہ آپ میدان میں آیئے، ہم آپ کے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت لیں گے، لیکن آپ نے باہمی خانہ جنگی کے خطرے سے انکار فرمایا، آپ کو دھمکیاں بھی دی گئیں، لیکن آپ اپنے موقف پر قائم رہے۔ ایک مرتبہ مشاجرات کے دوران لوگوں نے آپ سے آکر کہا کہ: ''آپ خلافت سنبھال لیجئے، سب لوگ آپ کی خلافت پر راضی ہو جائیں گے۔'' آپ نے فرمایا کہ: ''اگر مشرق کے کسی شخص نے مخالفت کی تو کیا ہوگا؟'' لوگوں نے کہا کہ: ''ایسا شخص مار ڈالا جائے گا، اور پوری اُمت کی بہتری کے لئے ایک شخص کا قتل کیا حیثیت رکھتا ہے؟'' آپ نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسم! اگر ساری اُمت کے ہاتھ میں نیزے کا قبضہ اور میرے ہاتھ میں اس کی نوک ہو، تب بھی میں ساری دُنیا و مافیہا کے بدلے کسی مسلمان کا قتل پسند نہیں کرسکتا۔'' (طبقات ج:۴ ص:۱۵۱)

چنانچہ مشاجرات کے زمانے میں آپ نے فریقین کے ساتھ تعلقات رکھے، لیکن کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں آپ ان کے اور ان کے مخالفین دونوں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ: ''آپ دونوں فریقوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک دُوسرے کو قتل کر رہے ہیں؟'' آپ نے کیا حکیمانہ جواب دیا، فرمایا کہ: ''جب کوئی شخص "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" (نماز کے لئے آؤ) کہہ کر مجھے بلاتا ہے تو میں اس کی دعوت قبول کرلیتا ہوں، جب کوئی شخص "حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" (فلاح کی طرف آؤ) کہہ کر پکارتا ہے تو اس کی بات بھی مان لیتا ہوں، لیکن جب کوئی شخص "حَیَّ عَلٰی قَتْلِ اَخِیْکُمُ الْمُسْلِم" (اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کے لئے آؤ) کہہ کر مجھے دعوت دیتا ہے تو میرا جواب ہوتا ہے کہ نہیں۔''

(ایضاً ص:۱۶۹ و ۱۷۰)

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو ان مشاجرات میں عملی حصہ لینے کی دعوت دی، اور قرآنِ کریم کے جہاد کے اَحکام یاد دِلائے، آپ نے جواب میں فرمایا:

إنا قاتلنا حتّٰی کان الدِّین للہ ولم تکن فتنة، وانکم قاتلتم

حتّٰی کان الدِّین لغیر اللہ، وحتّٰی کانت فتنۃ.

(طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۱۵۱)

ترجمہ:- ہم نے قتال کیا ہے، یہاں تک کہ اللہ کا دِین غالب ہوگیا، اور فتنہ باقی نہ رہا، اور تم لوگوں نے قتال کیا، یہاں تک کہ غیراللہ کا دِین غالب ہوگیا، اور فتنہ پیدا ہوگیا۔

ایک حکیمانہ مثال

اسی فتنے کے دور میں آپ نے اپنے طرزِ عمل کو بڑی بہترین مثال سے سمجھایا ہے، فرماتے ہیں کہ:

إنما کان مثلنا فی ھٰذہ الفتنۃ کمثل قوم کانوا یسیرون علٰی جادّۃ یعرفونھا، فبیناھم کذٰلک إذ غشیتھم سحابۃ وظلمۃ، فأخذ بعضنا یمینا وبعضنا شمالا، فأخطأنا الطریق وأقمنا حیث أدرکنا ذٰلک حتّٰی تجلّٰی عنّا ذٰلک حتّٰی أبصرنا الطریق الأوّل فعرفناہ فأخذنا فیہ إنّما ھٰؤلاء فتیان قریش یتقاتلون علٰی ھٰذا السلطان وعلٰی ھٰذا لدنیا، واللہ ما أبالی ألّا یکون لی ما یقتل فیہ بعضھم بعضا بنعلی.

یعنی اس فتنے کے معاملے میں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک جانے پہچانے راستے پر چلے جارہے تھے، اچانک ان پر گھٹا اور تاریکی چھاگئی، اب کچھ لوگ گھبراکر دائیں طرف چلے گئے، اور کچھ بائیں طرف، لیکن ہم اسی جگہ کھڑے رہے جہاں ہم گھٹا چھانے کے وقت پہنچے تھے، یہاں تک کہ بادل چھٹے، اور روشنی ہوئی تو ہمیں وہی راستہ نظر آگیا جس پر ہم نے چلنا شروع کیا تھا، چنانچہ ہم نے اس پر پھر چلنا شروع کردیا۔ قریش کے نوجوان اِقتدار اور دُنیا پر لڑ رہے ہیں، خدا کی قسم! جس چیز کے

لئے یہ ایک دُوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہیں وہ مجھے اپنے جوتے کے عوض بھی لینے کی فکر نہیں ہے۔

''اِظہارالحق'' کے بارے میں ایک غیر مسلم کا تبصرہ

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''اِظہارالحق'' کا اُردو ترجمہ (بائبل سے قرآن تک) احقر کے حواشی کے ساتھ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کسی انگریز صحافی کا یہ جملہ عمومی طور پر لوگوں کی زبان پر رہا ہے کہ: ''اگر یہ کتاب دُنیا میں پڑھی جاتی رہی تو مذہبِ عیسوی کی ترقی بند ہوجائے گی۔'' احقر کو اس تبصرے کے حوالے کی تلاش تھی، مگر اس کے وسائل میسر نہیں تھے۔ احقر نے کتاب کے مقدمے میں یہ جملہ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرّمہ کی کتاب ''ایک مجاہد معمار'' سے نقل کیا تھا، انہوں نے یہ جملہ لکھ کر اسے لندن کے اخبار ''ٹائمز'' کی طرف منسوب فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ:

''نواب حاجی اسماعیل خان صاحب مرحوم رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو ''ٹائمز'' کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا۔''

(ایک مجاہد معمار ص:۲۶)

اسی حوالے کے اعتماد پر یہ جملہ میں اپنی تحریروں میں نقل کرتا رہا ہوں، لیکن پچھلے دنوں محترم جناب ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب نے اس حوالے کی تحقیق فرمائی اور ''ٹائمز'' کے ایڈیٹر سے معلوم کیا کہ کیا ایسا کوئی تبصرہ ان کے اخبار میں شائع ہوا ہے؟ اس پر ایڈیٹر نے نہ صرف لاعلمی کا اظہار کیا بلکہ یہ بتایا کہ ان کے یہاں تبصروں کی فہرست مرتب کی جاتی ہے، اگر کوئی تبصرہ ہوا ہوتا تو ضرور مل جاتا۔ اس واقعے کے بعد میں نے یہ جملہ اپنی تحریروں میں لکھنا چھوڑ دیا۔

اب گزشتہ مہینے برادرِ محترم جناب محمد حسن عسکری صاحب نے احقر کو ایک اِقتباس مرحمت فرمایا جس کے بارے میں غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ وہ تبصرہ ہے جسے اب تک ''ٹائمز'' کے حوالے سے بیان کیا جاتا رہا ہے۔ یہ مشہور مستشرق گارساں دتاسی

کے مقالات کا ایک اقتباس ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے:

''کیمبرج کے شعبۂ دینیات میں پادری ولیم صاحب نے بتایا کہ مشرق میں اسلام کی تبلیغ زور شور سے ہو رہی ہے، قسطنطنیہ میں جو مذہبی مباحثے ہوئے ان میں مسلمانوں نے ایسی قابلیت دِکھائی کہ بہت سے عیسائی فوراً مذہب بدلنے کو تیار ہوگئے۔ اس ضمن میں مقرّر نے ایک نئی عربی کتاب کا ذکر کیا جس کا جواب مشرقی عیسائیوں سے نہ بن پڑا۔ اگر ان کی یہی حالت رہی تو اِسلام کے حملے کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔''

(مقالات گارساں دتاسی۔ مقالہ ۱۸۶۷ء مترجمہ پروفیسر عزیز احمد صاحب شعبۂ انگریزی جامعہ عثمانیہ، شائع کردہ انجمن ترقی اُردو دہلی ۱۹۴۳ء)

جس زمانے کا یہ مقالہ ہے، یہ وہی زمانہ ہے جب ''اِظہار الحق'' قسطنطنیہ سے شائع ہوئی تھی، اس لئے مذکورہ عبارت میں عربی کتاب سے مراد ''اِظہار الحق'' ہی ہوسکتی ہے۔

اِشاعتِ اِسلام کا اصل سبب ایک غیر مسلم کی نظر میں

ایڈورڈ ڈینی سن راس نے جارج سیل کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر ایک مقدمہ لکھا ہے، اس میں وہ رقم طراز ہیں:

''صدیوں سے اہلِ یورپ کو اِسلام کے بارے میں جو معلومات حاصل ہو رہی ہیں وہ تقریباً تمامتر متعصب عیسائیوں کے ان بیانات پر مبنی ہیں جنھوں نے شدید غلط فہمیاں پیدا کی ہیں۔ اسلام میں جو خوبیاں تھیں انہیں بالکل نظرانداز کردیا گیا، اور جو چیزیں اہلِ یورپ کی نگاہ میں اچھی نہ تھیں، انہیں بڑھا چڑھا کر اور غلط تشریحات کے ساتھ پیش کیا گیا۔

تاہم یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ بنیادی عقیدہ جس کی انہوں نے تبلیغ کی، خواہ وہ تبلیغ عرب کے معاصر باشندوں کو کی ہو جو ستارہ پرست تھے، خواہ اِیرانیوں کو کی ہو جو یزداں اور اہرمن پر اِیمان رکھتے تھے، خواہ اہلِ ہند کو کی ہو، جو بت پرست تھے، اور خواہ ترکوں کو کی ہو جو عبادت کا کوئی مخصوص

طریقہ نہیں رکھتے تھے، یہ تبلیغ بہر حال توحیدِ خداوندی کی تبلیغ تھی۔ اور ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ غازیوں کی تلوار سے کہیں زیادہ اس عقیدے کی سادگی نے اِشاعتِ اِسلام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

(Ross Edword Denison: Introduction to the Translation of the Quran by George Sale Fredrich Warneind Co London, p.7)

حضرت ثابت بن قیسؓ

ایک خوش نصیب صحابی جنھوں نے شہادت کے بعد وصیت کی اور حضرت ابوبکرؓ نے اسے نافذ فرمایا

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے زمانے کے مشہور خطیب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابتِ وحی کے فرائض بھی انجام دیئے، جامع ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ.

ثابت بن قیس بن شماس اچھے آدمی ہیں۔

حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو حضرت ثابتؓ کے حالات سنا سکے۔ لوگوں نے مجھے ان کی صاحب زادی کا پتہ بتایا، میں نے جا کر ان سے حضرت ثابتؓ کے حالات معلوم کئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے یہ واقعہ سنا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.

ترجمہ:- بلاشبہ اللہ کسی ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو اِترانے والا اور بہت فخر کرنے والا ہو۔

تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی، وہ گھر میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے، اور ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے انہیں بلا کر ان سے وجہ دریافت کی۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! مجھے حسن و جمال سے بھی محبت ہے، اور میں اپنی قوم کا سردار ہوں (اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں مذکورہ آیت کے حکم میں شامل نہ ہو جاؤں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

إِنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ، بَلْ تَعِيشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوتُ بِخَيْرٍ وَيُدْخِلُكَ اللهُ الْجَنَّةَ.

ترجمہ:- بلاشبہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو، بلکہ تم زندہ بھی خیر کے ساتھ رہو گے، تمہارا انتقال بھی خیر کے ساتھ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

بعینہٖ یہی واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ.

ترجمہ:- اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو، اور ان سے بلند آواز کے ساتھ گفتگو نہ کیا کرو۔

اس موقع پر بھی حضرت ثابتؓ کو بڑی تشویش ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ: میری آواز بلند ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کی آواز سے بلند آواز کے سبب میرے اعمال اکارت نہ ہو جائیں، اس پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ، بَلْ تَعِيشُ حَمِيدًا وَتُقْتَلُ شَهِيدًا وَيُدْخِلُكَ اللهُ الْجَنَّةَ.

ترجمہ:- بلاشبہ تم ان میں سے نہیں ہو، بلکہ تم قابلِ تعریف انداز میں زندہ رہو گے، تمہیں موت کے وقت شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ اُٹھا، اور مسلمانوں کا ایک لشکر یمامہ کے مقام پر ان سے جنگ کے لئے روانہ ہوا تو حضرت ثابت بن قیسؓ بھی اس میں شامل تھے۔ جنگ کی ابتداء میں دُشمن کے حملے اس قدر شدید تھے کہ مسلمانوں کو تین مرتبہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضرت ثابتؓ اور ان کے ساتھی حضرت سالمؓ نے جب جنگ کا نقشہ دیکھا تو کہا کہ: ''ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔''

یہ کہنے کے بعد ان دونوں نے زمین میں دو گڑھے کھودے اور ان میں ڈٹ کر کھڑے ہوگئے، تاکہ وہاں سے پیچھے ہٹنے کا کوئی اِمکان باقی نہ رہے۔ جب تک دَم میں دَم باقی رہا یہ دونوں حضرات انہی گڑھوں میں ڈٹے لڑتے رہے، یہاں تک کہ انہیں گڑھوں میں جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

حضرت ثابتؓ کی صاحب زادی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ حضرت ثابتؓ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ جب کل مجھے قتل کردیا گیا تو ایک شخص میری نعش کے قریب سے گزرا، میرے سینے پر ایک نفیس زرہ تھی وہ اس نے اُتارلی ہے۔ اس شخص کا مکان لشکر کے بالکل آخری سرے پر فلاں جگہ واقع ہے اور اس کے سامنے ایک لمبا تڑنگا گھوڑا بندھا ہوا ہے، اس شخص نے میری زرہ پر ایک ہانڈی اوندھی کردی ہے اور اس ہانڈی پر اُونٹ کا کجاوہ ڈال دیا ہے۔ تم خالد بن ولیدؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں، پھر جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ: ''میرے ذمہ اتنا اتنا قرض ہے اور میں نے اتنا اتنا مال اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔'' حضرت ثابتؓ نے خواب ہی میں اس شخص سے یہ بھی فرمایا کہ: ''تم میری ان باتوں کو خواب کی بات سمجھ کر نہ ٹال دینا، بلکہ ان پر عمل کرنا۔''

وہ شخص حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا اور انہیں خواب سنایا، حضرت خالدؓ نے آدمی بھیج کر زرہ کے واقعے کی تحقیق فرمائی تو زرہ اسی پتے کے مطابق مل گئی، اس کے بعد وہ شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور انہیں بھی یہ پورا قصہ سنایا تو آپ نے ان کی وصیت پر عمل کا اہتمام فرمایا۔ حضرت ثابتؓ کے علاوہ کوئی شخص ہمیں ایسا معلوم نہیں ہے جس نے موت کے بعد وصیت کی ہو اور اس پر اس طرح عمل کیا گیا ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج:۶ ص:۳۲۵)

حضرت معن بن عدیؓ کی نرالی آرزو

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام صحابہؓ پر صدمے کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور سب پر گریہ طاری تھا۔ اس حالت میں اکثر صحابہؓ یہ کہتے سنے گئے کہ: ''کاش! ہم آپ سے پہلے مرگئے ہوتے، کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

لیکن ایک صحابی حضرت معن بن عدیؓ یہ فرما رہے تھے:

لٰکِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اُحِبُّ اَنْ اَمُوْتَ قَبْلَہٗ لِاُصَدِّقَہٗ مَیِّتًا کَمَا صَدَّقْتُہٗ حَیًّا.

لیکن خدا کی قسم! مجھے یہ خواہش نہیں تھی کہ میں آپ سے پہلے انتقال کر جاؤں، کیونکہ میں یہ چاہتا تھا کہ جس طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی تصدیق کی ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی تصدیق کروں۔

چنانچہ حضرت معن بن عدیؓ جنگِ یمامہ تک بقیدِ حیات رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خطابؓ سے ان کی مؤاخات قائم کرادی تھی، چنانچہ ان دونوں دینی بھائیوں نے یمامہ کے مقام پر ایک ساتھ جامِ شہادت نوش کیا۔

(البدایہ والنہایہ ج:۶ ص:۳۳۹)

منتصر باللہ کا ایک عجیب واقعہ

علی بن یحییٰ منجم کہتے ہیں کہ عباسی خاندان کے خلیفہ منتصر باللہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس منعقد کی اور حکم دیا کہ اس میں دیباج کے زرتار قالین بچھائے جائیں، چنانچہ قالین بچھائے گئے، ان میں سے ایک قالین کے بیچ میں ایک بڑا سا دائرہ تھا جس میں ایک شہسوار کی تصویر تھی جس کے سر پر تاج تھا اور دائرے کے گرد فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ جب منتصر مجلس میں آ کر بیٹھا اور حاضرین جمع ہوگئے تو اس نے دائرے کو دیکھ کر قریب کھڑے ہوئے ایک سردار سے پوچھا: ''یہ کیا لکھا ہے؟'' وہ سردار اسے نہ پڑھ سکا، پھر اس نے دربار کے تمام حاضرین سے یہی سوال کیا، لیکن کوئی بھی اسے صحیح طور سے نہ پڑھ سکا۔ منتصر نے ایک غلام کو حکم دیا کہ کسی فارسی جاننے والے کو بلا کر یہ عبارت پڑھواؤ۔

تھوڑی دیر میں ایک شخص نے آ کر اس عبارت کو پڑھا، لیکن پڑھ کر دم بخود رہ گیا، منتصر نے پوچھا:

''کیا لکھا ہے؟''

''کچھ نہیں، امیر المومنین!'' اس نے کہا: ''ایرانیوں کی حماقت ہے۔''

منتصر نے کہا: ''مجھے بتاؤ تو کیا لکھا ہے؟''

وہ بولا: ''امیر المومنین اس کے کچھ معنی نہیں۔''

منتصر کو غصہ آیا اور اس نے سختی کے ساتھ اس عبارت کا ترجمہ سنانے کا مطالبہ کیا، اس شخص نے کہا: اس میں لکھا ہے کہ:

''میں شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں، میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا اور اس کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میری سلطنت قائم نہ رہ سکی۔''

منتصر کا چہرہ متغیر ہوگیا اور وہ اٹھ کر زنان خانے میں چلا گیا، اور اس کی سلطنت چھ ماہ سے زائد قائم نہ رہی۔

(تاریخ بغداد للخطیب ج:۲ ص:۱۲۰ و ۱۲۱)

حافظ ابنِ جریر طبریؒ اور خلیفہ مقتدر

عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے ایک مرتبہ کسی جائیداد کو وقف کرنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ چاہتا تھا کہ وقف نامہ اس طرح مرتب کیا جائے کہ وقف کی شرائط تمام فقہاء کے مذہب کے مطابق دُرست ہو جائیں اور اس میں کوئی اِختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کام صرف علامہ ابنِ جریر طبری ہی انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ ان کے سوا ایسا آدمی ملنا مشکل ہے جسے تمام فقہاء کے مذاہب پوری طرح مستحضر ہوں۔ چنانچہ مقتدر باللہ نے حافظ ابنِ جریرؒ سے اس وقت ایسا وقف نامہ مرتب کرنے کی درخواست کی، حافظ ابنِ جریرؒ نے وقف نامہ مرتب کر دیا۔ اس سے خلیفہ کو ان کے مقامِ بلند کا اندازہ ہوا، اور اس کے بعد اُس نے اُنہیں اپنے دربار میں اُونچا مرتبہ عطا کیا اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے لگا۔ خلیفہ ان سے بار بار کہتا کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کرلیا کیجئے۔ لیکن حافظ ابنِ جریرؒ نے یہ اِصرار دیکھا تو فرمایا کہ: ''میری صرف ایک ضرورت ہے، اور وہ یہ کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں گداگر بہت گھس آتے ہیں اور اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، امیرالمؤمنین سے میرا صرف یہ سوال ہے کہ وہ شرطہ (پولیس) کے لوگوں کو اس بات کا حکم جاری کریں کہ وہ گداگروں کو اندر نہ جانے دیا کریں۔'' خلیفہ نے یہ حکم جاری کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۱۴۶)

اِمام ابوحنیفہؒ اور ایک اَعرابی

یحییٰ بن جعفرؒ کہتے ہیں کہ اِمام ابوحنیفہؒ نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمایا کہ: ایک مرتبہ بیابان میں مجھے پانی کی شدید ضرورت لاحق ہوئی، میرے پاس ایک اَعرابی آیا اس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا، میں نے اس سے پانی مانگا، اس نے انکار کیا اور کہا کہ پانچ دِرہم میں دُوں گا۔ میں نے پانچ دِرہم دے کر وہ مشکیزہ لے لیا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ: ''ستو کی طرف کچھ رغبت ہے؟'' اس نے کہا کہ: ''لاؤ!'' میں نے اس کو ستو دے دیا جو روغنِ زیتون سے چرب کیا گیا تھا، وہ خوب پیٹ بھر کر کھا گیا۔

اب اس کو پیاس لگی تو اس نے کہا کہ: ''ایک پیالہ پانی دے دیجئے!'' میں نے کہا کہ: ''پانچ دِرہم میں ملے گا اس سے کم میں نہیں!'' اور اس طرح اس کو وہ پانچ دِرہم دینے پڑے۔ (لطائفِ علمیہ ترجمہ اُردو کتاب الاذکیاء، ابن جوزیؒ ص:۱۱۰)

''محمد'' نام کے چار خوش نصیب محدثین

تیسری صدی ہجری میں مصر میں چار محدثین بہت مشہور ہوئے، چاروں کا نام محمد تھا، اور چاروں علمِ حدیث کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان میں سے ایک محمد بن نصر مروزیؒ ہیں، دُوسرے محمد بن جریر طبریؒ، تیسرے محمد بن المنذرؒ اور چوتھے محمد بن اِسحاق بن خزیمہؒ۔ ان کا ایک عجیب واقعہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات مشترک طور سے حدیث کی خدمت میں مشغول تھے، بسااوقات ان علمی خدمات میں اِنہماک اس قدر بڑھتا کہ فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی۔ ایک دن چاروں ایک گھر میں جمع ہوکر اَحادیث لکھنے میں مشغول تھے، کھانے کو کچھ نہیں تھا، بالآخر طے پایا کہ چاروں میں سے ایک صاحب طلبِ معاش کے لئے باہر نکلیں گے تاکہ غذا کا اِنتظام ہوسکے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت محمد بن نصر مروزیؒ کے نام نکلا، انہوں نے طلبِ معاش کے لئے نکلنے سے پہلے نماز پڑھنی اور دُعا کرنی شروع کردی۔

یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور مصر کے حکمران احمد بن طولونؒ اپنی قیام گاہ میں آرام کر رہے تھے، ان کو سوتے ہوئے خواب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ فرما رہے تھے کہ: ''محدثین کی خبر لو! ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔''

ابنِ طولونؒ بیدار ہوئے تو لوگوں سے تحقیق کی کہ اس شہر میں محدثین کون کون ہیں؟ لوگوں نے ان حضرات کا پتہ دیا، احمد بن طولونؒ نے اسی وقت ان کے پاس ایک ہزار دِینار بھجوائے اور جس گھر میں وہ خدمتِ حدیث میں مشغول تھے اسے خرید کر وہاں ایک مسجد بنوادی اور اسے علمِ حدیث کا مرکز بناکر اس پر بڑی جائیدادیں وقف کردیں۔

(البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۱۰۳ سن ۲۹۴ھ، و ج:۱۱ ص:۱۴۶ سن ۳۲۱ھ)

احمد ابنِ طولونؒ کا ایک عجیب واقعہ

احمد بن طولونؒ معتز باللہ کے زمانے میں مصر کے حاکم تھے، اس سے پہلے وہ معروف ترکی بادشاہ طولون کے پاس رہتے تھے اور طولون نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ طولون نے انہیں کسی کام سے دارالامارۃ بھیجا، وہاں انہوں نے بادشاہ کی ایک کنیز کو محل کے کسی خادم کے ساتھ بے حیائی میں مبتلا پایا۔ احمد ابنِ طولونؒ اپنے کام سے فارغ ہوکر بادشاہ کے پاس واپس پہنچے لیکن اس قصے کا اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ادھر کنیز کو یہ یقین ہوگیا کہ ابنِ طولونؒ، بادشاہ سے ضرور میری شکایت کردیں گے، اس لئے اس نے یہ حرکت کی کہ طولون کے پاس جاکر احمد ابنِ طولونؒ کی شکایت کردی کہ وہ ابھی میرے پاس آئے تھے اور مجھے بے حیائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ کنیز نے شکایت اس انداز سے کی کہ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے فوراً احمد بن طولونؒ کو بلوایا اور کنیز کی شکایت کا زبانی طور سے تو کچھ ذکر نہیں کیا، البتہ ایک مہر شدہ خط ان کے حوالے کردیا اور حکم دیا کہ یہ خط فلاں امیر کے پاس پہنچادو۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ: ”جو شخص یہ خط تمہارے پاس لارہا ہے اسے فوراً گرفتار کرکے قتل کردو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔“

احمد بن طولونؒ کو ادنیٰ وہم بھی نہ تھا کہ ان کے خلاف سازش ہوچکی ہے، وہ خط لے کر روانہ ہوئے، راستے میں اسی کنیز سے ملاقات ہوگئی، کنیز یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد بن طولونؒ کو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے تاکہ اسے یقین ہوجائے کہ میری شکایت دُرست تھی، چنانچہ اس نے احمد بن طولونؒ کو باتوں میں اُلجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے، آپ خط لکھ دیجئے، اور آپ بادشاہ کا جو مکتوب لے کر جارہے ہیں وہ میں دُوسرے خادم کے ذریعے بھجوادیتی ہوں، چنانچہ اس نے بادشاہ کا مکتوب اسی خادم کے حوالے کردیا جس کے ساتھ وہ مبتلا ہوئی تھی۔ وہ خادم خط لے کر اسی امیر کے پاس پہنچا، امیر نے خط پڑھتے ہی اسے قتل کرادیا اور اس کا سر طولون کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ سر دیکھ کر حیران رہ گیا، اور احمد بن طولونؒ کو بلوایا۔

احمد بن طولونؒ نے سارا ماجرا سنا دیا اور کنیز نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کرلیا، اس دن کے بعد سے بادشاہ کی نظر میں احمد بن طولونؒ کی وقعت دوچند ہوگئی اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے۔ (البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۴۶)

اہلِ حمص کا جزیہ واپس کردیا گیا

بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں نقل کیا ہے کہ جب جنگِ یرموک پیش آئی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے مختلف علاقوں میں متعین اسلامی فوجوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے مستقر چھوڑ کر یرموک میں جمع ہوجائیں۔ مسلمانوں کی کچھ فوجیں شہر حمص میں بھی متعین تھیں جو شہر کی حفاظت کررہی تھیں، جب انہیں یرموک پہنچنے کا حکم ملا تو ان کو سب سے بڑی فکر یہ لاحق ہوئی کہ یہاں جو غیر مسلم (ذمی) آباد ہیں ان سے ہم جزیہ (ٹیکس) وصول کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں، جب فوجیں یہاں سے چلی جائیں گی تو ہم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے امیر نے غیر مسلموں کو جمع کرکے ان سے کہا کہ ہم نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا اور اس کی بناء پر جزیہ وصول کرتے تھے، اب اس مجبوری کے باعث یہ ہمارے لئے ممکن نہیں رہا، لہٰذا آپ کا جزیہ واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سب کا جزیہ واپس کردیا گیا۔ اہلِ حمص نے رُوئے زمین پر ایسے فاتح نہیں دیکھے تھے جو دُشمنوں کے ساتھ وفاداری کا ایسا سلوک کرتے ہوں، چنانچہ ان سب کی زبانوں پر یہ دُعائیں تھیں کہ اللہ مسلمانوں کو رُومیوں پر فتح عطا کریں۔

(الوحی المحمدی، سید رشید رضا ص:۲۷۹، مطبعۃ المنار ۱۳۵۴ھ)

اللہ کی راہ میں دھوکا

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ.

ترجمہ:- تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکتے، جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔

اس ارشاد کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ نے اپنی محبوب ترین اشیاء اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی جو مثالیں قائم کیں، وہ ہماری تاریخ کا درخشاں باب ہیں۔ اس آیت کے تحت مفسرین کرامؒ نے ایسے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ اُن کو اپنی ملکیت کی جو چیز بھی پسند آتی، اُسے صدقہ کردیتے تھے۔ اسی اُصول کے تحت اُن کا معمول یہ بھی تھا کہ اپنے غلاموں میں سے جس غلام کو دیکھتے کہ وہ اللہ کی عبادت میں زیادہ مشغول ہے تو اس کو بھی آزاد فرمادیتے تھے۔

جب غلاموں کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس عادت کا پتہ چلا تو ان میں سے بعض غلاموں نے یہ سلسلہ شروع کردیا کہ کمر کس کر مسجد میں کھڑے ہوجاتے، اور دیر تک نماز میں مشغول رہتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو عبادت میں مشغول دیکھتے تو ان کو آزاد کردیتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت ابنِ عمرؓ سے عرض کیا کہ: جناب! یہ لوگ تو آپ کو دھوکا دینے کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، حقیقت میں ان کو عبادت کا اتنا شوق نہیں۔ اِس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بے نیازی سے فرمایا:

مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰہِ اِنْخَدَعْنَا لَہٗ.

ترجمہ:- جو شخص ہمیں اللہ کی راہ میں دھوکا دے گا، ہم اس کے دھوکے میں بھی آجائیں گے۔

(ملاحظہ ہو: طبقات ابنِ سعد ج:۴ ص:۱۶۷، اور تہذیب الاسماء واللغات للنوویؒ ج:۱ ص:۲۸)

سخاوت

انہی حضرت ابنِ عمرؓ کے بارے میں ان کے معروف شاگرد حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے پاس بیس ہزار سے زائد درہم آگئے۔ لیکن جس مجلس میں وہ آئے تھے، آپ وہاں سے اس وقت تک نہیں اُٹھے جب تک پورے کے پورے خرچ نہ کردیئے۔ جب کچھ باقی نہ رہا تو اِتفاق سے ایک سائل اور آگیا، آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ تھا تو جن لوگوں کو پہلے دے چکے تھے، ان سے قرض لے کر اسے دیا۔

ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے تو گھر والوں نے آپ کے لئے کچھ انگور منگوا دیئے، اتنے میں ایک سائل آ گیا، اور اس نے انگوروں ہی کا سوال کیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ انگور اسی کو دے دیئے جائیں، گھر والوں نے بہت کہا کہ ہم اسے کچھ اور دے دیتے ہیں، لیکن حضرت ابنِ عمرؓ مصر رہے، یہاں تک کہ گھر والوں نے انگور اس سائل کو دیئے، اور بعد میں اسی سے خرید کر آپ کے سامنے پیش کئے۔ (ایضاً ج:۴ ص:۱۵۸)

ساری عمر آپ کا یہی معمول رہا کہ کبھی تنہا کھانا نہیں کھایا، ہمیشہ کھانے کے وقت کچھ نادار افراد کو بلا کر ان کو کھانے میں شریک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر والوں نے یہ تدبیر کی کہ قریب کے نادار افراد کو پہلے سے کھانا کھلا دیا، اور ان سے کہا کہ جب حضرت ابنِ عمرؓ انہیں بلائیں تو ان سے عذر کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے جب حسبِ معمول کھانے کے وقت انہیں دعوت دی تو انہوں نے عذر کیا، حضرت ابنِ عمرؓ نے گھر آ کر کھانا کھانے سے انکار کر دیا، اور اس رات کھانا ہی نہ کھایا۔ (ایضاً ج:۴ ص:۱۶۶)

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے لئے ایک جوارش تحفے میں لایا اور کہا کہ اس سے کھانا اچھی طرح ہضم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''مجھ پر بعض اوقات پورا پورا مہینہ اس حالت میں گزر جاتا ہے کہ میں پیٹ نہیں بھرتا، میں یہ جوارش لے کر کیا کروں گا؟''

(ایضاً ج:۴ ص:۱۵۰)

اسلام اور طہارت

ایک مسلمان طالبِ علم لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہ جس مکان میں مقیم تھا اس میں ایک انگریز خاتون رہتی تھی، اور وہاں مختلف ممالک کے طلبہ بھی مقیم تھے۔ اس عورت نے طالبِ علم سے کہا:

''کیا آپ کو میرے کپڑے دھونے پر بھروسہ نہیں ہوتا؟''

طالبِ علم نے جواب دیا: ''کیوں نہیں؟ مجھے بھروسہ ہے کہ آپ کپڑے ٹھیک دھوتی ہیں۔''

''پھر آپ اپنے کپڑے خود دھو کر میرے حوالے کیوں کرتے ہیں؟'' خاتون نے پوچھا۔

طالبِ علم نے کہا: ''اگر مجھے کپڑے خود دھونے ہوتے تو میں آپ کے حوالے کیوں کرتا؟ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے کپڑے دھوکر آپ کو نہیں دیتا، ویسے ہی دے دیتا ہوں۔''

خاتون نے کہا: ''پھر یہ کیا بات ہے کہ مجھے دُوسرے لوگوں کے زیرِ جامے میں طرح طرح کے دھبے اور بدبو محسوس ہوتی ہے، لیکن آپ کے زیرِ جامے پر کبھی ایسی کوئی چیز مجھے نہیں ملی۔''

طالبِ علم نے جواب دیا: ''محترمہ! میں مسلمان ہوں، میرا دِین مجھے پاکی اور نظافت کا حکم دیتا ہے، اگر میری شلوار یا زیرِ جامے پر پیشاب کا قطرہ بھی پھیل جائے تو ایسی حالت میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھتا جب تک اسے دھو نہ لوں، اس لئے میرے کپڑوں میں کوئی ناپاک چیز نہیں رہ سکتی، اور جب کپڑے اُتارتا ہوں تو وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔''

انگریز خاتون بولی: ''تمہارا اِسلام اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تعلیم دیتا ہے؟''

طالبِ علم نے کہا: ''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھیں، چنانچہ جب میں بیت الخلاء جاتا ہوں تو پہلے ایک دُعا پڑھتا ہوں، نکلتا ہوں تو دُوسری دُعا پڑھتا ہوں، جب نئے کپڑے پہنتا ہوں تب بھی دُعا پڑھتا ہوں، اسی طرح کھانا کھانے، گھر سے نکلنے، سونے جاگنے، اور زندگی کے ہر اہم کام کے موقع پر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعائیں سکھائی ہیں، وہ پڑھتا ہوں تاکہ اللہ کے ساتھ میرا تعلق مضبوط رہے، کیونکہ یہ تعلق ہی صحیح راستے کی طرف میری ہدایت کرتا ہے اور مجھے ایسے کاموں سے باز رکھتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوں۔''

انگریز خاتون کو اس نوجوان کی یہ باتیں بڑی عجیب، مگر بڑی دِلکش محسوس ہوئیں، اس کے بعد اس نوجوان کی نشست و برخاست، اس کے رہن سہن اور عادات و اَطوار غور سے دیکھتی رہی، اور اس کی تہذیب، اس کی شائستگی، اس کی پاکیزگی، اس کی عفت اور فضولیات سے اس کے اِجتناب نے رفتہ رفتہ اس خاتون کے دِل میں اسلام کے لئے ایک جستجو پیدا کردی، وہ اس نوجوان سے اسلامی تعلیمات کے بارے میں مزید

معلومات حاصل کرتی رہی، یہاں تک کہ اسلام کی حقانیت اس کے دِل میں گھر کرگئی۔ حق کے نور نے اس کے دِل کو بھی منوّر کردیا، اور وہ نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہوئی، بلکہ اپنے خاندان کے متعدّد افراد کو بھی مسلمان کرلیا۔

(ترجمہ از: مجلۃ التضامن الإسلامی، شمارہ شوال ۱۴۰۴ھ ص:۶۶ و ۶۷)

اِمام شافعیؒ کا ایک حکیمانہ قول

علامہ ابنِ صلاحؒ نے اِمام شافعیؒ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

الإنقباض عن الناس مکسبة للعداوة، والإنبساط مجلبة لقرناء السوء فکن بین المنقبض والمنبسط.

لوگوں کے ساتھ ترش رُوئی سے پیش آنا لوگوں کو دُشمن بنالیتا ہے، اور بہت زیادہ خندہ پیشانی بُرے ہم نشینوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، لہٰذا ترش رُوئی اور بہت زیادہ خندہ پیشانی کے درمیان معتدل راہ اختیار کرو۔

(فتاویٰ ابن الصّلاح ص:۳۱، مطبوعة مع الرسائل المنیریة ج:۴)

اِمام ابوزرعہؒ کی رِقتِ قلب

اِمام ابوزرعہؒ مشہور جلیل القدر محدّث ہیں، وہ تیسری صدی ہجری میں پہلے شام اور پھر مصر کے قاضی بھی رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شافعی عالم ہیں جن کو قضاء کا منصب تفویض کیا گیا، اور شام میں انہی کے ذریعے شافعی مسلک کی نشر و اِشاعت ہوئی۔ وہ اتنے رقیق القلب تھے کہ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص پر میری اتنی رقم واجب ہے، انہوں نے مدعا علیہ کو بلاکر پوچھا تو اس نے اِقرار کرلیا۔ آپ نے مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کرتے ہوئے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ "مدعی کی رقم ادا کردو!" اس پر مدعا علیہ کی آنکھ میں آنسو آگئے، اِمام ابوزرعہؒ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ: "میں جھوٹ تو بول نہیں سکتا تھا، اس لئے اقرار کے لئے مجبور تھا، لیکن میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں قرض ادا کرسکوں، لہٰذا آپ مجھے جیل بھیج دیجئے۔" اِمام ابوزرعہؒ نے یہ سن کر مدعی کو بلایا، اور قرض کی رقم اپنے پاس سے

اس کو ادا کی، اور مدعا علیہ کو چھوڑ دیا۔

اس واقعے کی شہرت ہوئی تو لوگوں نے یہ وطیرہ بنالیا کہ وہ اپنے خلاف قرض کا اقرار کرتے، اور جب ادائیگی کا حکم سنتے تو اپنی مفلسی کا عذر پیش کرکے رو پڑتے، اور قید خانے میں جانے پر آمادگی ظاہر کردیتے، لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ بعض لوگ حیلے کرنے لگے ہیں، امام ابوزرعہؒ نے اپنا طریقہ نہیں بدلا، اور آخر تک یہی معمول رہا کہ ایسی صورت میں رقم اپنی جیب سے ادا کرکے مدعا علیہ کو قید سے بچالیتے تھے۔

(رفع الإصر عن قضاة مصر ص:۱۱۹ و کتاب القضاة للکندی ص:۵۲۲)

یہ مغربی تہذیب ہے!

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

خودکشی کی بہار

رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا میں ہر تیس منٹ پر ایک واقعہ خودکشی کا ہوتا ہے، یعنی ہر سال اٹھارہ ہزار واقعات خودکشی کے، اور یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اور جو اِقدامِ خودکشی کرکے ناکام رہ جاتے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ دس لاکھ کا ہے۔ اور ایک ماہرِ فن ڈاکٹر کا بیان ہے کہ میزان لگانے میں آبادی کی اس بڑی تعداد کو بھی شامل رکھنا چاہئے جو موٹر اندھادھند تیز رفتاری سے چلاکر اور تمباکو اور نشے کی کثرت سے اور طرح طرح کی مجرمانہ بدکرداریوں سے خودکشی کی طرف برابر قدم بڑھاتے رہتے ہیں۔

(''صدقِ جدید'' لکھنؤ، ۱۲؍فروری ۱۹۶۵ء، بحوالہ انڈین ایکسپریس ۲۱؍جنوری ۱۹۶۷ء)

چوری کے اسکول

لندن کے ایک تجارتی فرم کے سراغ رساں مسٹر باتھ نے بتایا ہے کہ برطانیہ میں بچوں کو چوری کرنے کی تربیت دینے کے متعدد اسکول موجود ہیں، جن میں ہونہار ''طالب علموں'' کو اس ''فن'' کے خاص شعبوں مثلاً نقب زنی، دُکانوں سے اشیاء

چرانے اور آہنی سیف توڑنے کی خصوصی اور اعلیٰ تربیت فراہم کرنے کا انتظام موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقتصادی ترقی کے اس دور میں جہاں قومی پیداوار کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی ہے، چوروں کی تعداد میں بھی مناسب اضافہ ہوا ہے۔

مسٹر باتھ نے بتایا کہ میں جس اسٹور میں ملازم ہوں اس میں ۱۹۵۶ء تک ہر پندرہ گھنٹے کے بعد چوری کی ایک واردات ہوتی تھی، اب گیارہ گھنٹے کے بعد اسٹور سے کوئی نہ کوئی چیز غائب ہوجاتی ہے۔ جن اسٹوروں میں نگرانی کا انتظام قدرے ناقص ہے، وہاں ہر پانچ گھنٹے کے بعد ایک واردات ہوتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ۱۹۵۶ء میں ان کی فرم کے سراغ رسانوں نے دو ہزار تین سو تریسٹھ افراد کو دکانوں سے چیزیں چرانے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد تقریباً دگنی رہی اور ہم نے تقریباً پچیس ہزار روپے کی مالیت کا مسروقہ مال برآمد کیا۔ گرفتار شدگان میں ۷۶٫۹ فیصد عورتیں، ۲۳٫۱ فیصد مرد تھے، ان میں کم عمر لڑکے لڑکیوں کا تناسب ۴۷ فیصد تھا، گرفتار شدگان میں سے ۶۶ فیصد کو اسٹور کے مالکوں نے ڈانٹ پھٹکار کر چھوڑ دیا، صرف ۳۴ فیصد کو عدالت سے سزا ہوئی، سزا پانے والوں میں دس فیصد عورتیں تھیں۔ (ماخوذ روزنامہ ''مشرق'' کراچی ۱۹/اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ:۲)

دُنیا مرے آگے

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

کراچی ۹/اپریل (پ پ) میجر سی ایل دتا بھارت کے صدر رادھا کرشنن کے اے ڈی سی رہ چکے ہیں، اور ۱۹۶۶ء میں فوج سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''دو صدر کے ہمراہ ــــ اندرونی کہانی'' میں لکھا ہے کہ وہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پونا میں بھارتی صدر رادھا کرشنن سے ملے، بھارتی صدر نے ۱۹۶۵ء کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ: ''جب میں ایتھوپیا سے واپسی پر قاہرہ کے ہوائی اڈے پر پہنچا تو صدر ناصر نے مجھ سے پوچھا کہ: آپ نے لاہور پر کیوں قبضہ نہیں کیا؟ ہم یہاں اس خبر کے منتظر بیٹھے تھے۔'' صدر رادھا کرشنن نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے

جواب میں انہوں نے صدر کو کیا کہا، لیکن انہوں نے میجر دتا سے مخاطب ہو کر کہا: ”تم جانتے ہو کہ حقیقت چھپانے سے مجھے نفرت ہے، لیکن میں انہیں (ناصر کو) یہ نہیں بتا سکا کہ پاکستانی فوج راجھوگل (بی آر بی) نہر پر شیر کی طرح بے جگری سے لڑی، ہر شخص سچائی کو اپنی طرف دیکھنا چاہتا ہے، لیکن کتنے لوگ ہیں جو سچائی کے طرف دار ہیں۔“

(”جنگ“ کراچی)

اور آج رادھا کرشنن کا یہی ملک ”شیروں“ کے کچھار میں پھر چیل کوّے بھیج رہا ہے۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

منکرینِ حدیث کے آرگن ماہنامہ ”طلوعِ اسلام“ کا ایک اِشتہار ملاحظہ فرمایئے:

”قرآن مجید سمجھ میں نہیں آسکتا

- ترجموں سے، کیونکہ قرآنی الفاظ کے مترادفات دُنیا کی کسی زبان میں نہیں مل سکتے۔
- تفسیروں سے، کیونکہ تفاسیر میں عام طور پر مفسروں کے اپنے خیالات اور معتقدات قرآنی مطالب پر غالب آجاتے ہیں۔“

یہ مغربی تہذیب ہے

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
تعصب، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

تعصب

لندن ۱۸ اپریل (اپ پ / رائٹر) برطانیہ میں نسلی امتیاز ایک بار پھر شدید نفرت کا رُوپ دھار رہا ہے، یہ انکشاف ایک سروے رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ لندن ٹائمز نے اپنے اِداریے میں اس سروے رپورٹ سے نسلی امتیاز کے کئی واقعات پیش کیے ہیں، مثلاً ایک سیاہ فام شخص ملازمت کے لئے گیا، لیکن گورے مالک نے اسے ٹال

دیا۔ بعد میں اس نے کہا: "کالے کتے مطلوب نہیں ہیں!" دفتروں میں سفید لڑکیاں سیاہ فام باشندوں کے بیت الخلاؤں میں جانا پسند نہیں کرتیں۔

(ماخوذ از روزنامہ "مشرق" کراچی ۱۹؍اپریل ص:۳)

خودفروشی

لندن ۱۵؍مئی (بی بی سی) برطانیہ میں بعض تعلیم یافتہ افراد زیادہ آمدنی کی خاطر ادنیٰ درجے کی ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ یہاں ایک اسکول ٹیچر خاکروب بن گیا ہے، بی بی سی نے اس ٹیچر کا نام بتائے بغیر کہا کہ وہ خاکروب کی حیثیت سے ۱۷ پونڈ یا تقریباً دو سو اڑتیس روپے فی ہفتہ کماتا ہے، جبکہ ٹیچر کی حیثیت سے اسے صرف نو پونڈ ہفتہ یعنی ۱۲۶ روپے تنخواہ ملتی ہے۔ ("مشرق" کراچی ۱۷؍مئی ۱۹۶۷ء)

ناشکیبائی

امریکا میں طلاقوں کی شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، ل ٓ وا کی فیملی کورٹ کے ایک سینئر جج رابرٹ ہیفسن نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ ہر سال پانچ لاکھ شادیاں طلاق کی وجہ سے ختم ہوجاتی ہیں، ان میں سے دوتہائی جوڑے صاحب اولاد ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر چار بچوں میں سے ایک بچہ ایک ایسے گھر میں رہتا ہے جو طلاق کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے۔ مسٹر ہیفسن کا یہ مضمون ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" کے تازہ شمارے میں شائع ہوا ہے۔

(دیکھئے: شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء ص:۱۳۳، مطبوعہ ہانگ کانگ)

لاس اینجلز (امریکا) کی ۴۷ سالہ مسز بیورلی نینا ایوری نے سولہ مرتبہ طلاق حاصل کی، ان کے شوہروں کی مجموعی تعداد ۱۴ تھی۔ مسز بیورلی نینا نے آخری طلاق اکتوبر ۱۹۵۷ء میں حاصل کی، اس نے عدالت کو بتایا کہ جن شوہروں سے اس نے طلاق لی ان میں پانچ نے اس کی ناک توڑی تھی۔ ("مشرق" ۲۵؍اپریل)

ہوسناکی

ہندوستان ٹائمز نے اپنی یکم مئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں ایک انگریز کا

مضمون شائع کیا تھا، اس میں لکھا ہے کہ ملک ڈنمارک میں، جس کی شرحِ پیدائش ۷۵ ہزار فی سال ہے، وہاں ۱۵ ہزار سے ۲۵ ہزار تک حمل گرائے جاتے ہیں جن میں سے قانونی ۲ ہزار ہوتے ہیں، باقی سب ناجائز ہوتے ہیں، اور پیرس اور ہیمبرگ شہروں میں اِسقاط کی تعداد پیدائشوں سے اگر زیادہ نہیں تو ان کے برابر تو ہوتی ہی ہے۔ (''صدقِ جدید'' لکھنؤ)

یہ مغربی تہذیب!

انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اَسرار

تجریدی مصوّری

تجریدی مصوّری (Abstract Art) کے نام سے کون ناواقف ہوگا؟ ہر جدّت پسند کی زبان سے اس کی تعریف وتوصیف کے قصیدے سنے جاسکتے ہیں۔ اس مصوّری کا موجد ''پکاسو'' ہے جسے اس آرٹ کے شائقین مصوّری کا بادشاہ کہتے ہیں۔ لیکن شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ دسمبر ۱۹۶۴ء میں اس نے ایک ایسا بیان جاری کیا ہے جو ہر جدّت پسند کے لئے سرمۂ بصیرت ہے۔ نافین ایجنسی پیرس کے سہ ماہی رسالے ''لیونگ میوزیم'' کے حوالے سے اس مصوّر کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ:

''میں اب تک وہ تمام بے ہنگم شکلیں پیش کرتا رہا ہوں جو کسی طرح بھی میرے دِماغ میں آگئیں، اور حال یہ ہے کہ لوگ میری تصویروں کو جتنا کم سمجھے، اتنی ہی وہ ان کی قدر کرنے اور داد دینے میں آگے بڑھتے رہے، ان کھیلوں اور کرتبوں سے میں خود محظوظ ہوتا رہا اور حماقت آمیز چیزیں برابر پیش کرتا رہا۔ میری تصویروں نے پہیلیوں کی حیثیت حاصل کرلی، اور میں ان کے ذریعے سے شہرت بھی حاصل کرتا رہا اور دولت بھی، چنانچہ اب میں دُنیا کا ایک مشہور شخص ہوں اور دولت مند بھی۔ تاہم جب تنہا ہوتا ہوں تو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اپنے کو عظیم مصوّر یا آرٹسٹ کے لقب سے منسوب کروں۔''

(مأخوذ از ''صدقِ جدید'' لکھنؤ ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء)

امریکا میں جرائم

واشنگٹن ۱۴ مئی (پ پ/اپ ا) صدر جانسن نے کہا ہے کہ امریکا میں جرائم نے سنگین صورت اختیار کر لی ہے، اور امن کے بعد اسے دُوسرے سب سے اہم مسئلے کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ ایسا ہے جسے عوام کے تعاون کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔ ("جنگ" کراچی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء)

لیکن قانون کے رکھوالے؟

واشنگٹن ۱۶ اپریل ۱۹۶۷ء (اپ پ/اپ ن) یہاں ایک کمیٹی نے امریکا میں جرائم کی وارداتوں کے تشویشناک اضافے پر غور کرنے اور ان کی روک تھام کی سفارشات پیش کرنے کے سلسلے میں ایک جامع رپورٹ تیار کی ہے۔ رپورٹ میں یہ سنسنی خیز اِنکشاف کیا گیا ہے کہ سرکاری اعداد و شمار میں جرائم کی وارداتوں میں ۶۶ء۷ فیصد کمی دِکھائی گئی ہے جو بالکل غلط ہے، کمیٹی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پولیس کا ہر افسر جرائم کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح سرکاری اعداد و شمار جوں کے توں رہتے ہیں۔ کمیٹی نے دُوسرا سنسنی خیز اِنکشاف یہ ہے کہ امریکا میں جرائم کی شرح میں آبادی سے زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔

("مشرق" کراچی ۱۷ اپریل ۱۹۶۷ء)

دُنیا مرے آگے

پاپ شو

کراچی کے امیر گھرانوں کے چشم و چراغ ایک نئی وبا "پاپ شو" کے دلدادہ ہوگئے ہیں، شہر کے صنعت کاروں اور تاجروں اور بڑے بڑے افسروں کے نورِ چشم فیشن ایبل ہوٹلوں میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں لڑکے لڑکیوں کا مخلوط اِجتماع ہوتا ہے، اس میں تمام معاشرتی اور سماجی پابندیوں سے آزاد ہوکر یہ لوگ راگ رنگ کی محفلوں کے ساتھ فیشن شو منعقد کرتے ہیں، بعض اوقات اس قسم کے اِجتماعات عموماً صبح ۱۰ بجے سے

دوپہر دو بجے تک اتوار کے دن منعقد ہوتے ہیں .... شہر میں منعقد ہونے والے "پاپ شو" میں ہپیوں کو خاص طور سے شرکت کی دعوت دی جاتی ہے .... بلدیہ کے بعض کونسلروں نے اس پاپ شو پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(روزنامہ "مشرق" کراچی ۲۵/اپریل ۱۹۷۱ء صفحہ:۲)

جی ہاں! یہ تہذیب، تمدن، شائستگی، علم اور سائنس کی ترقی کا دور ہے، جدید تحقیقات کا زمانہ ہے، اگر اس دور نے بھی "پاپ" اور "گناہ" کا وہی دقیانوسی مفہوم برقرار رکھا تو بات ہی کیا ہوئی؟ ضروری ہے کہ لفظ "گناہ" کی بُرائی کو بھی ذہنوں سے کھرچا جائے، اب گناہ کو گناہ کہہ کر کیا جائے گا، ڈنکے کی چوٹ کیا جائے گا، اور کون ہے جو گناہ پر فخر کرنے سے آج کے اِنسانوں کو روک سکے؟۔

کمالِ علم و ہنر نے عامرؔ، بنادیا رات کو سویرا
گناہ اتنا حسین کب تھا، کمالِ علم و ہنر سے پہلے

خدا جانے یہ بلدیہ کراچی میں کون دقیانوسی قسم کے کونسلر ہیں جو "پاپ شو" پر پابندی لگانے کا مطالبہ کررہے ہیں؟ بھلا ایسے مطالبات یہاں کبھی سنے گئے ہیں...؟

بہ بیں تفاوت راہ

ماسکو ۲۴/اپریل (پ پ ا) اخبار "لٹریچرینا گزیتا" نے اپنی حالیہ اشاعت میں کنوارے رہنے والے لوگوں کو اِنتباہ کیا ہے کہ تجرّد اِنسان کی جسمانی اور ذہنی صحت کے لئے انتہائی تباہ کن اور مضر ہے، اخبار نے مشورہ دیا ہے کہ نوجوان مردوں اور عورتوں کے درمیان ازدواجی رشتے قائم کرانے کے مقصد کے لئے شادی کرانے والے اِدارے قائم کئے جائیں۔ اس اخبار کا یہ مضمون رُوس میں گرتی ہوئی شرحِ پیدائش اور اس کے سبب سرکاری افسران میں پھیلی ہوئی تشویش کی وجہ سے شرحِ پیدائش میں اضافہ کرانے کی ایک کڑی ہے۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۲۴/اپریل ۱۹۷۱ء)

ڈھاکہ ۲۳/اپریل (اپ پ) مشرقی پاکستان خاندانی منصوبہ بندی بورڈ کے تحت ڈھاکہ میں تربیت اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی کلاسیں ۳/مئی سے شروع ہوں گی۔

("حریت" کراچی ۲۵/اپریل ۱۹۷۱ء)

یہ ہیں دُنیا کی نیرنگیاں کہ کسی کو ایک وسیع آبادی حاصل ہونے کے باوجود اپنی شرحِ پیدائش گرنے کی فکر ہے، اور کوئی تلوار کی دھار پر چلتے ہوئے بھی اپنے رُفقاء کی تعداد کم کرنا چاہتا ہے۔

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر!

مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے

لاہور ۲۰ راپریل- راولپنڈی کے ایک لڑکے عمر فاروق نے تیرہ سال کی عمر میں ایک فلم دیکھی تھی، جبکہ وہ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، اس وقت سے وہ اس فلم کی ہیروئن کے عشق میں مبتلا ہوگیا اور تعلیم ترک کردی۔ تنگ آکر اس کے والد نے اسے گھر سے نکل جانے کی ہدایت کی اور وہ لاہور چلا آیا۔ پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس خوبرو عمر فاروق جس کی ماں اسے ڈاکٹر یا بڑا اَفسر دیکھنے کی متمنی تھی، اب وحشیوں کی طرح لاہور کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے، اور محنت مزدوری کرکے جو پیسے حاصل کرتا ہے انہیں اپنی پسندیدہ ہیروئن کی فلمیں دیکھنے میں صَرف کردیتا ہے۔ اس نے مذکورہ ہیروئن کی ایک فلم ۶۳ مرتبہ اور ایک فلم ۳۹ مرتبہ دیکھی ہے۔ وہ جب اخبار ''مشرق'' کے دفتر میں پہنچا تو اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے، اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے اپنا بایاں بازو دِکھایا جس پر بلیڈ سے مذکورہ ہیروئن کا نام کھودا ہوا تھا، اس سے قبل وہ بازو کو جلا کر بھی یہی نام لکھ چکا تھا جو اَب مٹ رہا ہے۔

(تلخیص روزنامہ ''مشرق'' کراچی ۲۲ راپریل ۱۹۷۱ء)

یہ تو ایک لڑکے کی داستان ہے، جو اِتفاق سے اخبار میں چھپ گئی، ورنہ ہماری فلمی صنعت نے ایسے ''جیالوں' کی ایک پوری فوج تیار کردی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھیے، دیکھتے رہیے، لیکن ان فلموں کو بند کرنے کا خیال بھی دِل میں نہ لائیے، ورنہ آپ سے بڑا رجعت پسند، دقیانوس اور تنگ نظر کوئی نہ ہوگا۔

سادگی اپنوں کی دیکھ...!

بیروت ۱۸ راپریل (پ پ ا/اف پ) ''الفتح'' کے چیئرمین یاسر عرفات

نے یوگوسلاویہ کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ فلسطینی انقلاب یہودیوں کے خلاف نہیں، صیہونیت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ صیہونیت نے بظاہر نفرت کو ہوا دی ہے، لیکن ہم یہودیوں کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی یہودی، فدائین کے شانہ بشانہ صیہونیت کے خلاف نبرد آزما ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔

("حریت" کراچی ۲۰ر اپریل ۱۹۷۱ء)

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا

روزنامہ "مساوات" لاہور ۲۹ر اپریل کے اداریئے میں رقم طراز ہے:

"مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہاں ایسی قیادت پیدا ہو جائے جو قوم پرست بھی ہو، وطن دوست بھی اور ساتھ ہی سوشلسٹ بھی۔"

سلیس اُردو میں اس تجویز کے معنی یہ ہوئے کہ مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہاں ایک اور شیخ مجیب پیدا ہو، اور ملک کی تباہی میں جو کسر پہلے مجیب نے چھوڑ دی تھی، اسے یہ مجوزہ مجیب پورا کر دے...! شیخ مجیب بھی تو آخر نیشنلزم اور سوشلزم کے تانے بانے ہی سے تیار ہوئے تھے، انہی نظریات نے تو آج ملک کے مشرقی بازو کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ اگر افواجِ پاکستان کو اللہ کی تائید حاصل نہ ہوتی تو یہ علاقہ (خاکم بدہن) ویٹ نام بن چکا ہوتا! مگر نیشنلزم اور سوشلزم کا پرچار کرنے والے ابھی تک اسی خوش فہمی میں مست ہیں کہ۔

گری ہے جس پر کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

اور انتہا ہے کہ مشرقی پاکستان ہی کے حوالے سے نیشنلزم اور سوشلزم کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔

دُنیا مرے آگے

تو کارِ زمیں را نکو ساختی

واشنگٹن۔ ۳۱ر مئی (پ پ) یہاں چاند پر نوآبادیاتی کالونی قائم کرنے،

اس مہم کے سلسلے میں حصص فروخت کرنے اور چاند پر مختلف جانوروں کو ساتھ لے جانے کے معاملات زیر بحث آئے۔ عالمی انجمن مستقبلِ کائنات کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں ۷۰۰ سے زیادہ اسکالروں، سائنس دانوں، سرکاری حکام اور تاجروں نے شرکت کی، جس میں چاند کے علاوہ مستقبل کے دُوسرے منصوبوں پر بھی غور کیا گیا۔ جن میں ایسے زیرِ زمین شہروں کا منصوبہ بھی شامل ہے جہاں ہر شہر میں تقریباً ۲۵ ہزار اَفراد کو بسایا جاسکے۔ انجمن نے کیمیاوی اجزاء کی مدد سے انسان کی اوسط زندگی میں مزید پچاس برس کا اضافہ کرنے کی تجویز پر بھی غور کیا۔ (روزنامہ "جنگ" کراچی ۲ رجون ۱۹۷۱ء ص:۲)

گویا موجودہ کائنات کی عالمی جنرل اسمبلی تو دُنیا کے سارے مسائل حل کر ہی چکی ہے اور اب کسر صرف اس کی رہ گئی ہے کہ چاند اور مریخ کے مسائل حل کئے جائیں۔ جگر مرحوم یاد آگئے ۔

باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستیٔ بشر
سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر

ہارٹ اٹیک اور ہارٹ بریک

کیپ ٹاؤن ۳۱ رمئی (اپ پ/رائٹر) منتقلیٔ قلب کے ماہر کرسچین برنارڈ کی دُوسری کتاب "دِل کا دورہ" (ہارٹ اٹیک) اکتوبر میں شائع ہوجائے گی۔ جس میں دِل کی بیماریوں کا ذِکر ہوگا۔ ڈاکٹر برنارڈ کی سابق بیوی بھی اپنی کتاب "دِل ٹوٹنا" (ہارٹ بریک) عنقریب شائع کرارہی ہیں۔ مسز برنارڈ نے یہ کتاب ڈائریوں کی مدد سے لکھی ہے، اور اس میں انہوں نے پروفیسر برنارڈ سے اپنی عشق کی داستان قلم بند کی ہے، کتاب میں پروفیسر برنارڈ کی شہرت کا ان کی زندگی پر اثر، طلاق اور بعد کی زندگی کا ذِکر ہے۔ ("جنگ" ۲ رجون ۱۹۷۱ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب نے ایک شعر مسز برنارڈ کی کتاب کا سرنامہ بنانے کے لئے کہا تھا ۔

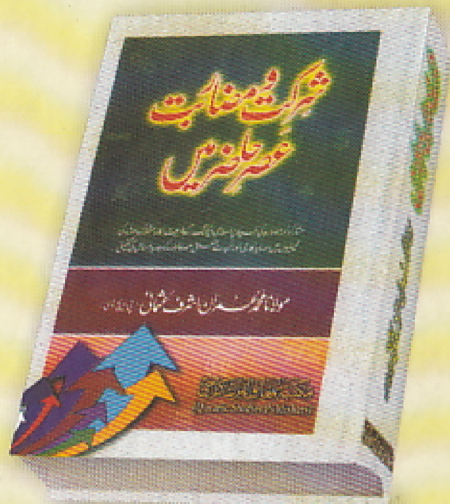
ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دِل کی دوا کرے کوئی

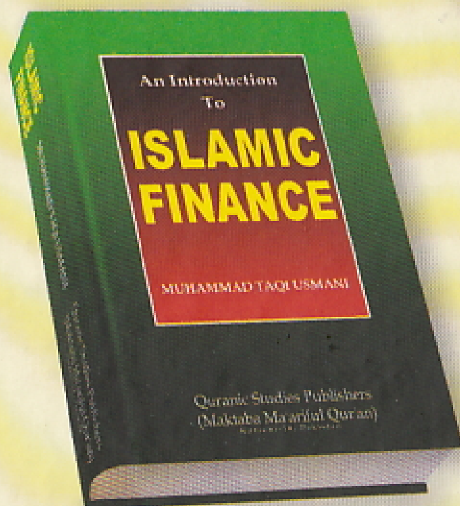
بلاعنوان

کراچی ۲۹ مئی (اسٹاف رپورٹر) شاید آپ یقین نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ شب مقامی ہوٹل کے مشہور نائٹ کلب ہال میں جس کی دیواروں پر رقاصاؤں کی عریاں تصویریں آویزاں تھیں اور ہال کے ساتھ شراب خانہ بھی تھا، ایک بین الکلیاتی مقابلۂ موسیقی منعقد ہوا۔ جس میں صرف طالبات کی ٹیموں نے حصہ لیا۔ یہ مقابلہ فن کار آرٹس سرکل کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا، نوجوانوں نے طالبات پر آوازیں کسیں اور اِنتہائی فحش انداز میں انہیں داد دیتے رہے...... تقریب کے اِختتام پر منتظمین کی جانب سے لڑکیوں کو گھروں تک پہنچانے کے لئے مختلف نامعلوم نوجوانوں کی کاروں میں لفٹ دی گئی۔ طالبات نے بتایا کہ ان سے کہا گیا تھا کہ یہ مقابلہ ان کی صلاحیتوں کو منظرِ عام پر لانے کے لئے کرایا جارہا ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غم و غصّے کا اِظہار کیا کہ کالج کے منتظمین نے سرکل کے متعلق معلومات حاصل کئے بغیر طالبات کو مقابلے میں شریک ہونے کی اجازت دی۔ مقابلے میں پی.ای.سی.ایچ.ایس گرلز کالج، سرسیّد گرلز کالج، اپوا کالج، ہوم اکنامکس کالج، گورنمنٹ کالج برائے خواتین اور جامعہ کراچی کی طالبات نے حصہ لیا۔ (''جنگ'' کراچی ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء)

یہ کالج کے منتظمین پر غم و غصّے کی بھی ایک ہی رہی، گویا طالبات کا خیال تو یہ ہوگا کہ ایک نائٹ کلب میں موسیقی کا مقابلہ نہیں، بلکہ کسی مسجد میں تبلیغی اِجتماع ہے، جہاں اگر وہ بے پردہ بھی جائیں گی تو منتظمین نگاہیں نیچی کرکے انہیں برقعے پہنادیں گے، اور پھر وہ پورے تقدّس کے ساتھ اپنی ''صلاحیتوں'' کو منظرِ عام پر لاسکیں گی۔ یہ منتظمین ہی کا قصور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ان بھولی بھالی لڑکیوں کو تبلیغی اِجتماع کے بجائے ایک نائٹ کلب میں بھیج دیا۔ ہائے رے عورت! تجھے نئی تہذیب نے کہاں پہنچادیا ہے...؟









مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)



www.quranicpublishers.com